

# آپ حیات

(پیر کامل ص-2)



عمرہ احمد

# عمیرہ احمد



3



”مجھے ہاتھ دکھانے میں کوئی دلچسپی نہیں ہے۔“ اس نے دلوں انکار کرتے ہوئے کہا۔  
”لیکن مجھے ہے۔“ وہ اصرار کر رہی تھی۔

”سب جھوٹ ہوتا ہے“ اس نے پھوپھوں کی طرح اسے بسلا�ا۔  
مخلوقیات نہیں رکھانے میں کیا حرج ہے۔“ اس کے انداز میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی تھی۔  
ہم کیا جانتا چاہتی ہو اپنے مستقبل میں کے بارے میں۔ مجھ سے پوچھلو۔“  
اسے اس پامست کے پاس لے جانے کے موڑ میں نہیں تھا۔ جو اس فائیو اسٹار ہو ٹول کی لائی میں تھا جماں وہ  
کچھ دیر پہلے کھانا کھانے کے لیے آئے تھے اور کھانے کے بعد اس کی یہوی کوپتا نہیں کھا سے دھپا مسٹ یاد آگیا  
تم

”دیری فی!“ اس لذاق اڑایا تھا۔“ ۲۷ نے مستقبل کا تو تمہیں بتا نہیں، میرے کا کیسے ہو گا؟“  
میکل تسلیم کرنا مستقبل ساتھ ساتھ نہیں ہے کیا؟“ اس نے مسکرا کر اسے چھایا تھا۔  
”ای یہ لوگوں کو رسی ہوں! پامسٹ کی پاس چلتے ہیں اس سے پوچھتے ہیں۔“ اس کا اصرار بڑھا تھا۔  
”تیرمو! ہمارا۔“ آج“ تھیک ہے۔ بس کافی ہے۔“ نہیں“ کل“ کامستہ کیوں ہو رہا ہے؟“ وہ اب بھی  
رضامند نہیں ہو رہا تھا۔  
”مجھے ہے کل کامستہ۔“ وہ کچھ جھلا کر روئی تھی، اسے شاید یہ توقع نہیں تھی کہ وہ اس کی فرماش پر اس طرح  
کے رد عمل کااظہار کرے گا۔  
”کتنے لوگ با تھوڑکھا کر جاتے ہیں اس پامسٹ کو۔“ تمہیں بتا ہے۔ میری کو لیکر کو اس نے ان کے لیوچر کے  
بارے میں کتنا کچھ تھیک بتایا تھا۔ بھا بھی کی بھی کتنی کمزز آئی تھیں اس کے بارے میں۔“  
وہ اب اسے قابل گرنے کے لیے مٹا لیں دے رہی تھی۔

”بھا بھی آئی تھیں اس نے کپاس؟“ اس نے چوک کر پوچھا تھا۔  
”نہیں۔“ وہ اپنی۔  
”تو ہم۔“

”تو یہ کہ ان کو انٹرست نہیں ہو گا۔ مجھے تو ہے اور تم نہیں لے کر جاؤ گے تو میں خود جلی جاؤں گی۔“ وہ ایک  
دم سمجھیدہ ہو گئی تھی۔  
”کب؟“  
”ابھی۔“

لے بے اختیار فسا اور اس نے تھیارڈ التے ہوئے اس سے کہا۔

”پامسٹ تو ہاتھ دکھانا دنیا کی سب سے بڑی حماقت ہے اور میں تم سے ایسی کسی حماقت کی لوقع نہیں کرتا تھا“  
لیکن اب تم خد کرو ہی ہو تو ٹھیک ہے۔ تم دکھا لو ہاتھ۔“  
”تم نہیں دکھاؤ گے؟“ اس کے ساتھ لا لی کی طرف جاتے ہوئے اس نے کہا۔

”نہیں۔“ اس نے دلوں کا انداز میں کہا۔

”چلو،“ کوئی بات نہیں۔ خود ہی تو کہہ رہے ہو کہ میرا اور تمہارا مستقبل ایک ہے تو جو کچھ میرے بارے میں  
تباہ گا رہا پامسٹ وہ تمہارے بارے میں بھی تو ہو گا۔“ وہ اب اسے چھیڑ رہی تھی۔

”مشلا؟“ اس نے بھنوں اچکاتے ہوئے اس سے بوجھا۔  
”ضروری نہیں ہے۔“ وہ اسے ٹھک کر رہا تھا۔  
”نہ سکتا ہے،“ شوہر کے طور پر میری زندگی بڑی گزرے تمہارے ساتھ۔“

”تو مجھے کیا؟ میری تو اچھی گزر رہی ہو گی۔“ اس نے کندھے اچکا کر اپنی بے نیازی دکھائی۔  
”تم خود تمیں بڑی سیلفش (خود غرض) ہوتی ہو۔“ اس نے ساتھ چلتے ہوئے جیسے اس کے رویے کی نہ مت  
کی۔

”تونہ کیا کرو،“ پھر تم سے شادی۔ نہ کیا کرو، تم سے محبت۔ ہم کون سامنی جا رہی ہوتی ہیں تم مردوں کے  
لیے؟“ اس نے مذاق اذائق نواں لے انداز میں کھا تھا وہ فس پر، چند لمحوں کے لیے وہ واقعی لاجواب ہو گیا تھا۔  
”ہاں سے،“ امہمی مرے جا رہے ہوتے ہیں تم لوگوں پر۔ عزت کی زندگی راس نہیں آتی، شاید اس لیے۔“ وہ چند  
لمحوں بعد بڑھ رہا۔

”تمہارا مطلب ہے تم شادی سے پلے عزت کی زندگی گزار رہے تھے؟“ وہ یک سدم بر امان گئی تھی۔  
”ہم شاید جزا نہ کر رہے تھے۔“ وہ اس کا بدلتا مژو دیکھ کر گزرا رہا۔

”نہیں۔“ تم صرف اپنی بات کرو۔“  
”تم اگر ناراض ہو رہی ہو تو چلو پھر پامسٹ کے پاس نہیں جاتے۔“ اس نے بے حد سوالت سے اسے موضوع  
سے ہٹایا تھا۔

”نہیں،“ میں کہ ناراض ہوں اولیے ہی پوچھ رہی تھی۔“ اس کا مژو ایک لمحہ میں بدلا تھا۔  
”ویسے تم پوچھوئی کیا پامسٹ سے؟“ اس نے بات کو مزید گھمایا۔

”بھوپالی چیزیں ہیں۔“ اس نے بے حد سمجھی سے جواب دیا۔“ کچھ کہنا تھا،“ مگر تک تک وہ پامسٹ کے

اس ساتھ ہے تھے۔

ایک طرف رکھی کری پر بیٹھا ہو غیرہ بھی سے اپنی بیوی اور پامسٹ کی ابتدائی سنتکو سننا رہا، لیکن اسے اپنی بیوی کی دلچسپی اور سمجھی دلچسپی کو کچھ کر تھیت ہوئی تھی۔

پامسٹ اب اس کا ہاتھ پڑھے عذر سے کیہو سے اس کی لکیوں کا جائزہ لے رہا تھا۔ پھر اس نے بے حد سمجھی سے کہنا شروع کیا۔

”لکیوں کا علم نہ تو حصی ہوتا ہے، نہ ہی الای۔ ہم صرف وہی بتاتے ہیں جو لوگوں تھا رہی ہوتی ہیں۔“ بھر حال  
لے بے اختیار فسا اور اس نے تھیارڈ التے ہوئے اس سے کہا۔

”پامسٹ تو ہاتھ دکھانا دنیا کی سب سے بڑی حماقت ہے اور میں تم سے ایسی کسی حماقت کی لوقع نہیں کرتا تھا“  
لیکن اب تم خد کرو ہی ہو تو ٹھیک ہے۔ تم دکھا لو ہاتھ۔“  
”تم نہیں دکھاؤ گے؟“ اس کے ساتھ لا لی کی طرف جاتے ہوئے اس نے کہا۔

”بھوپالی جیرانی کی بات ہے۔“ پامسٹ نے دوبارہ ہاتھ دیکھتے ہوئے کہا۔  
”وکیا؟“ اس نے کچھ بے تاب ہو کر پامسٹ سے پوچھا۔

”آپ کی یہ پہلی شادی ہے؟“  
”بلکہ بیری،“ اس نے پس سمعچیک کرتے کرتے اس نے چوک کر پامسٹ کو دیکھا۔ اس کا خیال تھا یہ سوال اس

کے لیے ہے، لیکن پامسٹ کی مخاطب اس کی بیوی تھی۔  
”ہاں۔“ اس کی بیوی نے کچھ جیران ہو کر پہنچا پامسٹ اور پھر اسے دیکھ کر کہا۔

”اوہ! اچھا۔“ پامسٹ پھر کسی غور و غوص میں متبلد ہو گیا تھا۔  
”اوہ! اچھا۔“ پامسٹ پھر کسی غور و غوص میں متبلد ہو گیا تھا۔

”آپ کے ہاتھ پر وہ سری شادی کی لکیر ہے۔“ ایک مضبوط لکیر۔ ایک خوش گوار کامیاب و سری شادی۔“  
پامسٹ نے اس کا ہاتھ دیکھتے ہوئے جیسے حصی انداز میں کہا۔ اس کا رنگ اُڑ گیا تھا۔ اس نے گردن موڑ کر اپنے

شوہر کو دیکھا وہ اپنی جگہ پر بالکل ساکت تھا۔

\*\*\*

## آدم و حوا

اس کے پیروں کے نیچے وہ زمین جیسے سبز مخلل کی تھی۔ مخلل سیا کچھ اور تھا۔ تاحد نظر زمین پر سبزے کی طرح پھیلا ہوا۔ درختوں پر اگنے والی پیلی کونپلوں جیسا بہر۔ اور پھر ایک دم سندھ کے اندر پیدا ہونے والی کافی ہی سرگفت لیے۔ نمی کے ننھے ننھے قطرے اپنے وجود پر لیے سبزے کی پتیاں معطر ہوا کے جھوٹوں سے ملتی جیسے کسی رقص میں مصروف تھیں۔ پانی کے ننھے شفاف موٹی سبز پتوں کے وجود پر چھل رہے تھے، سنبھل رہے تھے یوں جیسے مخمور ہو کر بک رہے ہوں۔ پتوں کے وجود سے لکھتے، ڈکھاتے، چنگھلاتے، پھسلتے۔ پھر ہوا کا ایک بہو، لا کا چتا سبزے میں ایک ابراٹھتی، سندھ میں جوار بھانٹا کی پہلی لمرکی طرح اٹھتی، رقص کرتی، بہراتی وہ سبزے کو

سلاتی بہلاتی ایک عجیب سرشاری میں جتنا کہل آیک طرف سے دوسری طرف گز رجائی۔ نین جیسے رقص  
کرنے میں مصروف تھی۔

اس راستے پر حلتے حلتے اس نے اسے دیکھ لایا۔ اس کے قدم تھے، دونوں کی نظریں ملیں پھر اس کے چہرے پر  
بے ساختہ مسکراہٹ آئیں پلے مسکراہٹ پھر تھی۔ اس نے اسے پہچان لیا تھا۔ وہاں موجودہ واحد وجود تھا  
جسے وہ پہچانتی تھی۔

اس نے با تھوڑا بڑھایا۔ وہ اس کا ہاتھ تھام کر اس کے قریب آگئی۔ دونوں ایک عجیب سرشاری میں ایک  
دوسرے کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے دیکھتے رہے۔

اس کی گمراہی سیاہ مسکراتی ہوئی آنکھیں، ہیرے کی کنیوں کی طرح چمک رہی تھیں اور یہ چمک اسے دیکھ کر  
بڑھ گئی تھی۔ اس کے خوب صورت گلائی ہوئیں پر نی کی یہی کی تھی کہ یوں جیسے وہ ابھی کچھ بی کر آئی ہو۔ اس  
کی ٹھوڑی بیویشہ کی طرح اپنی ہوئی تھی۔ اس کی صراحی وار گروں کو دیکھتے ہوئے اس نے اس کا دوسرا ہاتھ بھی اپنی  
گرفت میں لے لیا۔ اس کی آنکھوں کی چمک اور اس کی مسکراہٹ گمراہی ہوئی۔ لہ جیسے اس لس سے واقف  
تھی، پھر وہ دونوں بے اختیار ہے۔

”تم میرا انتظار کر رہے ہے؟“  
”بال“

”بہت دیر کر دی؟“  
”وہ نہیں۔ بہت زیادہ نہیں۔“ وہ اس کا ہاتھ تھامے اس راستے پر چلنے لگا۔  
ہوا بھی بھی ان دونوں کے وجود کے ساتھ اور وہاں موجود ہر قسم کے ساتھ الہکھہ ملباں کرنے میں مصروف  
تھی۔

وہ اب بھی بچوں جیسی حرمت اور خوشی کے ساتھ وہاں موجود ہر قسم کو کوچنے میں مصروف تھی۔ اس کی  
کھلکھلاہٹ اور شفاف ہسی وہاں فضا کو ایک نئے رنگ سے سجا دے گئے تھے۔ فضا میں یک دم ایک عجیب  
و لفیب ساز ساز بھنپتے گا تھا۔ وہ ٹھہر کی پھر مروئے اسے دونوں پانوں پر اپنی پھیلائے رقص کے انداز میں گھوٹے  
نے اس راستے پر قدم آگے بڑھائے، پھر مروئے اسے دونوں پانوں پر اپنی پھیلائے رقص کے انداز میں گھوٹے  
دیکھا۔ وہ بے اختیار ہے۔ وہ اس راستے پر کسی ماہر بیلے رینا کی طرح رقص کرتی دوڑ جا رہی تھی۔ اس کے جسم پر  
موجود سفید لباس اس کے گھوٹتے جسم کے گرد ہوا میں اب کسی پھول کی طرح رقصان تھا وہ اب آہستہ ہوا  
میں اٹھنے لگی تھی۔ ہوا کے معطر جھونکے بڑی نری سے اسے جیسے اپنے ساتھوں لے جا رہے تھے۔ وہ اب بھی اسی  
طرح بھتی رقص کے انداز میں باند پھیلائے ہوم رہی تھی۔ وہ سحر زدہ اسے دیکھتا ہا۔ وہ اب کچھ گھنٹا رہی تھی،  
اس سے مخور ہوتا۔ ہوش کھوتا۔ دیوانہ وار اس کے وجود کے گرو گھوتا۔ کسی مخنور کی طرح اس کے جسم کو  
اپنی گرفت میں لیتا۔ اس سے لپٹ رہا تھا۔ ہوا کا دوسرا جھونکا اس کی سیاہ ریشمی زلفوں کو بھی اس رقص میں شامل کر  
دیتا۔ وہ اس کے کندھوں اور کمرہ والہ انداز میں پھسلتیں۔ ہوا میں ہلکا سا اڑتیں پھر نری اور ملانہتے اس  
کے چہرے اور سینے پر گرتیں۔ اس کے وجود سے پھوٹی خوبیوں سے یک دم سرشار ہوتی۔ پھر اس کے جسم کو  
جیسے اپنے وجود سے چھپانے کی کوشش کرنے لگتیں۔ ہوا کا ایک اور جھونکا اسیں ہولے سے اٹھا کر پھر پیچے

وہ اب بھی اس کا ہاتھ پکڑے اب فنا میں رقصان تھا۔ نین سے دو۔ اس کے قریب۔ اس کے ساتھ۔ یک  
دم رکی جیسے کائنات ٹھہر گئی ہو۔ وہ اب آسمان کو دیکھ رہی تھی پھر یک دم آسمان تاریک ہو گیا۔ دن رات میں

سلاتی بہلاتی ایک عجیب سرشاری میں جتنا کہل آیک طرف سے دوسری طرف گز رجائی۔ نین جیسے رقص

بزرے کا دو نجھے نجھے پھولوں سے سجا ہوا تھا۔ ہر جنگ کے پھولوں سے اتنے رنگ اور ایسے رنگ جو نظر  
کو شدید کر دیں۔ بزرے کے وجود پر بکھرے دو نجھے نجھے پھولوں سے دیاں ہر جگہ تھے بزرے میں ہوا سے  
پیدا ہوئے والی ہر لہر اور ہر رونج کے ساتھ وہ بھی عجیب مستقی اور سرشاری سے رقص کرنے لگتے۔

آسمان صاف تھا۔ آنکھوں کو سکون دینے والا ہلکا نیلا اور اب بھی کسی گنبد کی طرح پھیلا ہوا۔ گمراہ نجما۔  
بہت اونچا سی پہاڑ سے یہاں تک ہر طرف۔

ہوا ممعطر تھی، مخمور تھی ہمگنٹا رہی تھی۔ وہاں موجود ہر قسم کے ساتھ اٹکھیلیاں کر رہی تھی۔ بھتی، چھپتی کر  
جاتی پھر بیٹ کر آئیں۔ بھی بہلاتی سے بھی تھکتی۔ بھی تھکتی۔ پھر گنٹا تی۔ پھر گنٹا تی۔ وہاں تھی،  
تھی تھی۔ کہاں تھی؟

وہ کسی راستے پر تھا۔ کیا راستہ تھا۔ وہ کسی انتظار میں تھا۔ کیا انتظار تھا۔ اس نے ایک گمراہ اس لیا۔ اس  
راستے کے دونوں طرف دو رویہ درختوں کی قطار کے ساتھ وہ نکا کھڑا تھا۔ سہارا لیے یا سارا

دیے۔ وہ آگئی تھی۔ اس نے بہت دو راستے پر اسے غمودار ہوتے دیکھ لیا۔  
وہ سفید لباس میں ہلوں تھی۔ بہت نیمیں بہت نیمیں۔ وہ ریشم تھا۔ اٹلس تھا۔؟ کھواب بیاندھ کھو اور تھا؟  
اتنا ناٹک کہ ہوا کا ہلکا سا جھونکا اس سفید گاؤں نما لباس کو ازا نے لگتا۔ اس کی وہ دھیانیں دھیلیاں نظر  
آنے لگتیں۔ وہ ننگے پاؤں تھی اور بزرے پر وھرے اس کے خوب صورت پاؤں جیسے بزرے کی نری کو برداشت  
نہیں کر پا رہے تھے۔ وہ پاؤں رحتی چند کھوں کے لیے لڑکھڑا تھے۔ جیسے مخمور ہو کر بھتی۔ پھر سبھل جاتی۔ پھر  
اسی پار پھر قدم آگے بڑھا رہی۔

اس کے سیاہ بال ہوا کے جھونکوں سے اس کے شانوں اور اس کی کمر تک بلکہ کھارہ ہے تھے۔ اس کے  
گھولوں اور چہرے کو چوتھے آگے پیچھے جا رہے تھے۔ اس کے چہرے پر آتے۔ اس کے سینے سے لپٹتے۔ اس کے  
کندھے پر پھر ہوا میں لہرا کر ایک بار پھر پیچے چلے جاتے۔ وہ خوب صورت سیاہ چمکدار ریشمی زلفیں جیسے اس کے  
سفید لباس کے ساتھ مل کر اس کے ساتھ رقص کرنے میں مصروف تھیں۔

اس کے مرمریں وہ جو دو سفید لباس جیسے پھسل رہا تھا۔ سنجھاں نہیں سبھل رہا تھا۔ ہوا کے ہر جھونکے  
کے ساتھ وہ اس کے جسم کے خدو خال کو نمایاں کرتا۔ اسے پیروں سے کندھوں تک چوتھا۔ اس کے وہ  
اس سے مخور ہوتا۔ ہوش کھوتا۔ دیوانہ وار اس کے وجود کے گرو گھوتا۔ کسی مخنور کی طرح اس کے جسم کو  
اپنی گرفت میں لیتا۔ اس سے لپٹ رہا تھا۔ ہوا کا دوسرا جھونکا اس کی سیاہ ریشمی زلفوں کو بھی اس رقص میں شامل کر  
دیتا۔ وہ اس کے کندھوں اور کمرہ والہ انداز میں پھسلتیں۔ ہوا میں ہلکا سا اڑتیں پھر نری اور ملانہتے اس

کے چہرے اور سینے پر گرتیں۔ اس کے وجود سے پھوٹی خوبیوں سے یک دم سرشار ہوتی۔ پھر اس کے جسم کو  
جیسے اپنے وجود سے چھپانے کی کوشش کرنے لگتیں۔ ہوا کا ایک اور جھونکا اسیں ہولے سے اٹھا کر پھر پیچے

اس رقص میں اب پھر اس کے سفید لباس کی باری تھی۔ وہ آگے پیچھے آیا۔ وہ اس کی طرف متوجہ نہیں تھی۔  
وہ عجیب سی حرمت میں بنتا۔ وہاں کی ہر قسم کے ساتھ اسے دیکھ رہی تھی۔ پچوں جیسی حرمت اور اشتیاق کے

بدل گیا تھا۔ اور رات دن سے بہہ کر خوبصورت نئی سیاہ آسمان خوب صورت حمکتے ہوئے ستاروں سے سجا ہوا تھا۔ ہر رنگ کے ستاروں سے اور ان سب کے درمیان چاند تھا۔ نی روانگ کے بغیر روشنی کا منع دن کی روشنی اجلی تھی۔ سکون آور نئی سسہ ووش کر دینے والی تھی۔ رات کی روشنی میں ہے شمار رنگ تھے، کائنات میں ایسے رنگ انہوں نے کب دیکھتے تھے۔ کمال دیکھتے تھے۔ نہیں جیسے ہر رنگ کی روشنی میں نہار ہی تھی۔ ایک ستارہ نہما تائی پھر لدا سرا۔ پھر تیرسا۔ اور نہیں پر۔ بھی ایک رنگ بڑھتا، بھی دوسرا، بھی تیرسا۔ آسمان کو جیسے کسی نے روشنیوں میں پروڈیا تھا۔ وہ اسی کا ہاتھ پڑتے جیسے سرشاری کی انتہا پر پہنچی ہوئی تھی۔ اس کی حرمت اس کی سرشاری جیسے اسے مخلوق کر دی تھی۔ گدگدار ہی تھی۔

لہاب پھر نہیں پر آگئے تھے۔ رات ایک بار پھر دن میں بدل گئی تھی۔ بزرہ پھول، پتے، مہمی معطر ہوا، اب دیں تھے۔

سالار نے ہر بڑا کر آنکھ کھوی۔ کمرے میں مکمل تاریکی تھی۔ وہ فوری طور پر سمجھ نہیں سکا کہ وہ کمال ہے۔ اس کی ساتھ چلتے چلتے اس نے اپنے پھولوں کے نیچے آتے مخلیں بزرے پر بجھ پھولوں کو دیکھا پھر اس کے ساتھ ہے۔ اس کے ساتھ دو زکیں کسی مسجد سے سحری کے آغاز کا اعلان سن۔ اس کمرے کے گھپ اندر ہرے کو کھلی آنکھوں سے کھو جائیا۔ اس کے ہاتھ میں وہ پھول آگیا، پھر دوسرا، پھر تیرسا۔ پھر دوسرے تک پھلے بزرے کے سارے پھول جیسے سے کھو جائیں۔ اس کی طرح اس کی مقناطیس کی طرح اس کی طرح آئے تھے۔ سینکڑوں ہزاروں لاکھوں لا تعداد اُبے شمار۔ اتنے کہ اس کے ہاتھ سینکڑا نہیں پائے تھے۔ وہ اب اس کے ہاتھوں پر۔ اب اس کے بالوں پر۔ اب اس کے لباس پر۔ اب اس کے جسم پر۔ وہ خوبی سے بے خود ہو رہی تھی، سرشار ہو رہی تھی۔ پھر اس نے ہاتھ کے اشارے سے انہیں ہوا میں اچھا لادہ پلک جھکتے ہیں آسمان کی طرف گئے۔ پورا آسمان پھولوں سے بھر گیا تھا۔ چند لمحوں کے لیے پھر پھولوں کی بارش ہوئے گئی تھی۔ وہ دلوں میں رہے تھے۔ پھولوں کی بارش کے قطروں کی طرح مٹھیوں میں بھرتے اور چھوڑتے بھاگتے، حملکھلاتے۔ وہ سب پھول نہیں پر گز کرایک بار پھر بزرے میں اپنی اپنی جگہ جمع گئے تھے۔

وہ ایک بار پھر آسمان کو دیکھ رہے تھے، وہاں اب باطل نظر آرہے تھے۔ روپی کے گالوں جیسے حرکت کرتے ہاں، وہ سب باطل وہاں جمع ہو رہے تھے۔ جہاں وہ کھڑے تھے۔ پھر ان نے آسمان پر بارش کا پرلاقطرہ دیکھا۔ اس نے ہاتھ بڑھا کر اسے اپنی ہتھی پلی پر لیا۔ اس قطرے کو دیکھ کر دوبارہ ہستے ہوئے آسمان کی طرف اچھا لیا۔ اس پار نہ قطرہ اور جا کر اکیلا اپکی نہیں آیا تھا۔ وہ بہت سارے دوسرے قطرے کو ساتھ لے کر آیا تھا۔ بہت سارے نرم لمس کے گدگدائے والے قطرے۔ بارش برس رہی تھی اور وہ دلوں پھولوں کی طرح ہستے، حملکھلاتے تھے۔

کے ان قطروں کو ہاتھوں سے پکڑ کر ایک دوسرے پر اچھا ل رہے تھے۔ وہ بارش ہی سپاٹی قماگروہ قطرے ان کے ہاں پاولوں، ان کے جسم کو گیلا نہیں کر رہے تھے۔ وہ جیسے شفاف موتوں کی بارش ہی، ہوان کے ہاتھ اور جسم کی ایک خینہ پر ان کے ہاں اور لباس سے ایک ہو کر دوسرے جا کرتے۔ بزرے اور پھولوں کے اوپر بارش کے شفاف موتی جیسے قطروں کی ایک تھے جیسی بیوی جیسے کسی نے نہیں پر کوئی شیشہ پھیلا دیا ہے۔ اور وہاں شیشے پر چل رہے تھے۔ ان کا پانے سائے میں لیے وہ رکتے ہاتھ ہلاتے، آسمان پر ہاں پر کوئی شیشہ پھیلا دیا ہے۔ اس نے بے اختصار چند لمحوں کے لیے آہمیں بند کیں۔

کسی اور کے لیے؟

چچھلی ایک شام ایک بار پھر کسی فلم کی طرح اس کی آنکھوں کے سامنے سیکنڈ کے ہزاروں حصے میں گز رہی تھی۔ اپنی طرف بلاتے وہ آسمان پر جیسے پانی سے مصوری کر رہے تھے۔ پھر جیسے وہ اس کھیل سے تحکمی تھی۔ وہ رکی بارش تھی۔ نہیں سے پانی کے قطرے غائب ہونے لگے پھر باطل۔ چند ساعتوں میں آسمان صاف تھا۔ پھول جیسے وہاں کبھی باطل نام کی کوئی شے آئی نہ ہو۔

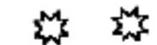
وہ اب اس کا ہاتھ پکڑ رہا تھا۔ اس نے چونکہ کرایک رنگ کا نام کی کوئی شے آئی نہ ہو۔

بدل گیا تھا۔ اور رات دن سے بہہ کر خوبصورت نئی سیاہ آسمان خوب صورت حمکتے ہوئے ستاروں سے سجا ہوا تھا۔ ہر رنگ کے ستاروں سے اور ان سب کے درمیان چاند تھا۔ نی روانگ کے بغیر روشنی کا منع دن کی روشنی اجلی تھی۔ سکون آور نئی سسہ ووش کر دینے والی تھی۔ رات کی روشنی میں ہے شمار رنگ تھے، کائنات میں ایسے رنگ انہوں نے کب دیکھتے تھے۔ کمال دیکھتے تھے۔ نہیں جیسے ہر رنگ کی روشنی میں نہار ہی آسمان کو جیسے کسی نے روشنیوں میں پروڈیا تھا۔ وہ اسی کا ہاتھ پڑتے جیسے سرشاری کی انتہا پر پہنچی ہوئی تھی۔ اس کی سرشاری جیسے اسے مخلوق دلاب پھر نہیں پر آگئے تھے۔ رات ایک بار پھر دن میں بدل گئی تھی۔ بزرہ پھول، پتے، مہمی معطر ہوا، اب دیں تھے۔

اس کے ساتھ چلتے چلتے اس نے اپنے پھولوں کے نیچے آتے مخلیں بزرے پر بجھ پھولوں کو دیکھا پھر اس کے ساتھ ہے۔ اس کے ہاتھ میں وہ پھول آگیا، پھر دوسرا، پھر تیرسا۔ پھر دوسرے تک پھلے بزرے کے سارے پھول جیسے سیستکڑوں، ہزاروں لاکھوں لا تعداد اُبے شمار۔ اتنے کہ اس کے ہاتھ سینکڑا نہیں پائے تھے۔ وہ اب اس کے ہاتھوں پر۔ اب اس کے بالوں پر۔ اب اس کے لباس پر۔ اب اس کے جسم پر۔ وہ خوبی سے بے خود ہو رہی تھی، سرشار ہو رہی تھی۔ پھر اس نے ہاتھ کے اشارے سے انہیں ہوا میں اچھا لادہ پلک جھکتے ہیں آسمان کی طرف گئے۔ پورا آسمان پھولوں سے بھر گیا تھا۔ چند لمحوں کے لیے پھر پھولوں کی بارش ہوئے گئی تھی۔ وہ دلوں میں رہے تھے۔ پھولوں کی بارش کے قطروں کی طرح مٹھیوں میں بھرتے اور چھوڑتے بھاگتے، حملکھلاتے۔ وہ سب پھول نہیں پر گز کرایک بار پھر بزرے میں اپنی اپنی جگہ جمع گئے تھے۔

وہ ایک بار پھر آسمان کو دیکھ رہے تھے، وہاں اب باطل نظر آرہے تھے۔ روپی کے گالوں جیسے حرکت کرتے ہاں،

چھرے پر آئے کچھ بالوں کو اپنی انگلیوں سے بڑی احتیاط سے ہٹایا۔



لائٹ آف کرنے کے لئے کھاتا۔

فوری طور پر امامہ کی سمجھ میں نہیں آیا کہ وہ کیا کے۔ اگر وہ لائٹ آف کرنے میں سو سکتا تھا تو وہ لائٹ آن رکھ کر نہیں سو سکتی تھی لیکن وہ یہ بات اسے اتنی بے تلفی سے نہیں کہہ سکتی تھی، جتنے اطمینان سے وہ اسے کہہ رہا تھا۔

”کیا ہوا؟“ الارم سیٹ کرنے سے ملی گفتگو کی سمجھ میں نہیں آیا کہ وہ کیا کے۔

اسی طرح بیڈ پر بیٹھی جیسے کچھ سوچ رہی تھی سیہ سالاڑ کے گھر اس کی پہلی رات تھی۔

”چھ نہیں۔“ وہ اپنے بیڈ پر بیٹھتے ہوئے اپنا تجھے سیدھا کرنے لگی۔

”تم شاید لائٹ آف کرنے سوتی ہو۔“ سیہ سالاڑ کو اچانک خود کی احساس ہو گیا تھا۔ وہ بستر لیتے لیتے رک گئی۔

”چھر کچھ کرتے ہیں۔“ سیہ سالاڑ نے بے ساختہ گمراہی سے لے کر سمجھاتے ہوئے کچھ سوچنے والے انداز میں کمرے کی لائش کا جائزہ لیا۔

”میں دیکھتا ہوں، دوسرے بیڈ رومن میں زیر کابلب ہے اگر وہ۔“ وہ بات کرتے کرتے رک گیا۔ امامہ کے تاثرات سے اسے لگا کہ یہ حلی بھی اس کے لیے قائل قبول نہیں تھا۔

”زیر کے بلب کی سوتی روشنی ہوتی ہے!“ سیہ سالاڑ نے کچھ جیسا سے اسے دیکھ کر کہا۔

”کمرے میں ٹھوڑی سی بھی روشنی ہوتی ہے میں سو سکتی۔“ میں ”اندھیرے“ میں سوتی ہوں۔“ اس نے پوری سمجھی کے ساتھ اپنا مسئلہ بتایا۔

”بھیبھاوت ہے۔“ وہ بے ساختہ کہہ کر نہیں۔

”اس کی بیات سے نیا ہاں کی بھی امامہ کو کھلی۔“

”نہیں۔“ لائٹ آن رہنے والے اس نے آہستہ سے کہا۔

”میرے لورا بلم میں اسے آف کر رہا ہوں۔“

دونوں بیک وقت اپنے اپنے موقف سے دست بردار ہوئے تھے۔

سیہ سالاڑ نے لائٹ آف کروئی اور پھر سونے کے لیے خوب بھی بستر لیت گیا لیکن وہ جانتا تھا، پہلے اس کے لیے مشکل ترین کام تھا۔ مار گھر کی پھاڑی پر آٹھ سال پلے گزاری ہوئی اس ایک رات کے بعد وہ بھی کمرے کی لائٹ بند کر کے نہیں سو سکتا تھا، لیکن اس وقت اس نے مزید بحث نہیں کی۔ چند گھنٹوں کے بعد اسے دوبارہ سحری کے لیے آٹھ سوچنے پڑا۔ وہ یہ چند گھنٹے بستر میں چپ چاپ لیٹ کر گزار سکتا تھا۔ ویسے بھی ”اندھیرا“ تھا پر آج رات وہ ”اکیا“ نہیں تھا۔

چھدر دونوں کے درمیان مکمل خاموشی رہی۔ سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ بات کا آغاز کیسے کریں۔ سیہ سالاڑ کے تاریکی میں امامہ نے سیہ سالاڑ کو گمراہی سے لے کر کرتے سنے۔

”اب اگر اتنی بڑی قربانی دے رہا ہوں میں لائٹ آف کرنے تو“ کوئی ”ہاتھ ہی پکڑ لے۔“ امامہ کو بے اختیار ہے۔

”ہیں آئی وہ اندھیرے میں اس کے کچھ قریب ہوئی اور سالاڑ کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔

”میں سارے لججھ میں فری اور اپنا نیت تھی۔“ اس کے لججھ میں فری اور اپنا نیت تھی۔

”اگر ہاں کوئی گاؤں کیا کروئی؟“ سیہ سالاڑ نے جان بوجھ کرانے سے چھپا۔

”تلی دوں گی اور کیا کروں گی۔“ وہ مجبوب ہوئی تھی۔

”جیسے اب دے رہی ہو؟“ اسے امامہ کو سمجھ کرنے میں مزاح آرہا تھا لیکن یہ جملہ کہنے سے پہلے اس نے اپنے سینے پر دھرے اسی کے ہاتھ کو اپنی گرفت میں لے لیا تھا۔ اس کے موقع جوابی عمل کو سیہ سالاڑ سے نہتر کوئی نہیں جان سکتا تھا۔ امامہ واقعی ہاتھ ہٹانے والی تھی۔

”وہ کیوں لگتا ہے تھیں؟“ امامہ نے موضوع بدلنے کی کوشش کی۔

”وہ نہیں لگتا میں صرف سو نہیں سکتا۔“

”کیوں؟“ وہ اس سے پوچھ رہی تھی۔

وہ فوری جواب میں دے سکا۔ مار گھر کی وہ رات سیہ سالاڑ کی نظروں میں گھونٹنے لگی تھی۔ امامہ چند لمحے اس کے جواب کا انتظار کرتی رہی پھر بولی۔

”تھاتا نہیں چاہتے۔“ سیہ سالاڑ کو جیرانی ہوئی۔ وہ کیسے اس کا ذہن پر دھر رہی تھی؟

”اور ایسا کب سے ہے؟“ امامہ نے اپنے سوال کو بدل دیا تھا۔

”آٹھ سال سے۔“ سیہ سالاڑ نے جواب دیا۔

وہ مزید کوئی سوال نہیں کر سکی۔ اسے بھی بہت کچھ یاد آئے گا تھا۔ آٹھ سالیں آٹھ سال سے وہ آٹھ سال سے اندھیرے سے خوف زدہ تھا۔ اور وہ نو سال سے روشنی سے خوف کھاتی پھر رہی تھی۔ وہ نہیں سے جھپٹ پھر رہی تھی۔ اس نے سیہ سالاڑ سے پھر کوئی سوال نہیں کیا۔ ایک دوسرے کے وجود میں پوسٹ کانٹرول کو نکالنے کے لیے ایک رات ہاکانی تھی۔ وہ اب اس کے ہاتھ کی پشت کو چوم کر اسے اپنی بند آنکھوں پر رکھ رہا تھا۔ امامہ بے اختیار رنجیدہ ہوئی۔

”میں لائٹ آن کر دیتی ہوں۔“ اس نے کہا۔

”نہیں۔“ اندھیرا اچھا لگنے لگا ہے تھے۔ وہ اسی طرح اس کا ہاتھ اپنی آنکھوں پر رکھے بڑھ رہا تھا۔

✿ ✻ ✻ ✻

بہت زمی سے جھک کر اس نے امامہ کے چھرے کو اپنے ہونٹوں پر چھوڑا۔ وہ اس سے باقیں کرتا کس وقت سویا تھا، اسے اندازہ نہیں ہوا اور اب وہ جاما تھا تو اسے جیزت ہو رہی تھی۔ اندھیرے میں سونا اتنا مشکل اور اتنا ہونا کہ بات نہیں ہوا تھا، مگنیت اپنے ہاتھ پر سمجھتا تھا۔

کمبل کو کچھ اور پھر صیختے ہوئے اس نے اسے گروں تک ڈھانپ دیا اور پھر یہ آف کرنے سے بستر سے اٹھ گیا۔ ڈر انگر روم کی طرف جاتے جاتے جاتے وہ اپنے سیل فون پر لگا الارم آف کر گیا۔

واش روم میں اس نے واش بیسن پر امامہ کے ہاتھ سے اتری کاچ کی کچھ چوڑیاں اور اس کے اپر نگز دیکھے۔ اس نے ایر انگر اٹھا لیے وہ دیر تک اپنے ہاتھ کی آٹھی پر رکھے رکھتا رہا۔ وہ بہت خوب صورت تھے مگر اب ہم اسے کہہ رہے تھے۔

جس وقت وہ نما کریا ہر لکلا وہ ت بھی گمراہی غند میں تھی۔ کمرے کی لائٹ آن کے بغیر وہ دسماں پر بیڈ رومن سے

لما۔ وہ کھانا یقیناً فرقان کے گھر سے آیا تھا اور وہ فرقان کے ساتھ ہی کھا جا تھا۔ اسے خواہ خواہ خوش نہیں ہوئی تھی کہ آج اس کے گھر میں پہلی سحری تودہ ضرور اسی کے ساتھ کرے گا۔ بو جعل دل کے ساتھ ایک پلیٹ لے کر وہ ڈائننگ نیبل پر آئی، لیکن چند لمحوں سے زیادہ نہیں لے سکی۔ اسے کم از کم آج اس کا انتظار کرنا چاہیے تھا۔ اس کے ساتھ ہمانا کھانا جا سر تھا۔ امامہ کو واقعی بہت رنگ ہوا تھا۔

چند لقوں کے بعد ہی وہ بڑی بے طی سے ٹپیل سے برتن اٹھانے لگی۔  
برتن دھوتے دھوتے اذان ہونے لگی تھی جب اسے ٹپیل پار خیال آیا کہ سالار گھر میں نظر نہیں آ رہا۔  
اپنے ہاتھ میں موجود پلیٹ دھوتے دھوتے وہ اسے اسی طرح سک میں پھوڑ کر باہر آئی۔ اس نے سارے گھر  
میں دیکھا ہو گھر میں نہیں تھا۔  
پھر کچھ خیال آنے پر وہ یعنی دروازے کی طرف آئی۔ دروازہ مغلل تھا لیکن دور چین ہٹی ہوئی تھی۔ وہ یقیناً  
گھر نہیں تھا۔ اسے کہاں اٹھانا اور اسے نہیں سوچا تھا۔

ہرپر میں ٹھاٹے ہمال ٹھاٹے میں دوچھوڑے۔ اس کی شادی کے دوسرے دن اسے گھر رکھ لایا چھوڑ کر کتنا بے فکری سے غائب ہو گیا تھا۔ اسے پھریل رات کی ساری باتیں جھوٹ کا لپٹنہ گئی تھیں۔ واپس ہمیں میں آگر یہ چھوڑ دیں بے حد طلب شکستی کی کیفیت میں سنک میں پڑے برخنوں کو دیکھتی رہی۔ وہ "محبوبہ" سے "بیوی" بن چکی تھی مگر اتنی جلدی تو نہیں۔ ناز برداری نہ سی خال تو کرنا چاہے۔ اس کی آز روگی میں پچھا اور اضافہ ہوا تھا۔ چند گھنٹوں کے اندر کوئی انتاہل سکتا ہے مگر رات کو تو وہ سے "اس کی رنجیدگی بڑھتی جا رہی تھی۔  
"یقیناً" سب کچھ جھوٹ ہی کہہ رہا ہو گا ورنہ میرا کچھ تو خیال کرنا۔" وہ رنجیدگی اب صدمے میں بدل رہی تھی۔

وہ نماز پڑھ جکی تھی اور سالار کا بھی بھی کہیں نام و نشان نہیں تھا۔ اسے تھوڑی سی تشویش ہوئی۔ اگر وہ مجرم نماز کے لیے بھی گیا تھا تو اسے آجاتا چاہیے تھا پھر اس نے اس تشویش کو سر سے جھٹک دیا۔

سالار جس وقت دیوارہ اپارٹمنٹ میں آیا، وہ گری نیند میں تھی۔ بیدروم کی لائٹ آل تھی اور ہیر آن تھا۔ وہ اور فرقان فخر کی نماز سے، بت دیر پلے مسجد میں چلے چاتے اور قرآن پاک کی حلاوت کرتے تھے۔ فخر کی نماز کے بعد دلوں وہیں سے بلڈنگ کے جم میں چلے جاتے اور لئے رہتا۔ "ایک گھنٹے کے ورک آوٹ کے بعد وہاں سے آتے اور آج یہ دو راتیں "آمنہ" کے امامہ ہونے کی وجہ سے کچھ لمبا ہو گیا تھا۔ فرقان سحری کے وقت ان دلوں کے لیے کھانا لے کر آیا تھا اور وہ بھوپال کا بیٹھا رہ گیا تھا۔ وہ رات کو سالار کے جس بیان کو صدمے کی وجہ سے ذاتی حالت

میں ہوئے والی کسی حرائی کا عجیبہ بھجو رہا تھا وہ وہی ذہنی حرائی یہیں تھی۔  
وہ اطمینان سے اس کے سامنے بیٹھا سحری کر رہا تھا اور فرقان اسے رشک سے دیکھ رہا تھا۔ رشک کے علاوہ کوئی  
اس پر کر بھی کیا سکتا تھا۔

”تمیا ہوا۔“ سالار نے سحری کرتے ہوئے اس کی اتنی بیسی خاموشی پر اسے پچھے جیرانی سے دیکھا۔ فرقان اسے سامنے بیٹھا کیک تک اسے دیکھ رہا تھا۔

”تم آج اپنی نظرات روایا۔“ فرقان نہ بالآخر اس سے کہا۔  
 ”اچھا ہے؟“ وہ نفس پر اس سے زیاد احمقانہ بات کم از کم اس گفتگو کے بعد کوئی نہیں کر سکتا تھا۔  
 ”میر نہاد نہیں کر رہا۔“ فرقان نے اینے گلاس میں بیانی انٹلیٹی ہوئے بے حد سبجدی سے کہا۔

باہر آگیا۔ بہت دور کسی مسجد میں کوئی نعمت پڑھ رہا تھا یا حمد۔ آواز اتنی مدھم تھی کہ سمجھنا مشکل تھا۔ اس سننگ اپریا کی لائٹ آن کر دی۔ لائٹ آن کرتے ہی اس کی نظر سینٹر تیبل پر پڑے کافی کے دمکڑ پر پڑی۔ وہ دونوں رات کو وہیں بیٹھے کافی میتے ہوئے باشیں کرتے رہے تھے صوفی پر اس کی اپنی شال پر ڈی تھی جو میں وہ اپنے پاؤں چھپائے تھی جو رہی تھی۔ رات ایکبار پھر جیسے کسی خواب کا قصہ لکھنے لگی تھی۔ میں بے یقین تھی جو فرم ہونے میں ہی تھیں آرہی تھی۔ خوش قسمتی تھی کہ اب بھی گمان نہیں ہوئی تھی۔ وہ بھول گیا کہ وہ بیدار روم سے یہاں لیا کرنے آیا تھا۔ چند لمحوں کے لیے وہ واقعی سب کچھ بھول گیا تھا۔ بن، تھی اور وہ ”تھی تو سب کچھ تھا۔“

اس کے سیل پر آنے والی فرقان کی کال نے یک دم اسے چوٹ کیا تھا۔ کال ریسیو کے بغیر وہ بیرونی دروازے طرف گیا وہاں سے تحریک دینے آیا تھا۔

اس کی آنکھ الارم کی آواز سے کھلی تھی۔ مند ہی آنکھوں کے ساتھ اس نے لیٹے لیٹے بند سائیڈ میبل پر رہا۔ اس الارم کو بند کرنے کی کوشش کی، لیکن الارم کلاک بند ہونے کے بعد بجائے یعنی کارہٹ پر گر گیا۔ امامہ کی بندیدیک سایڈ شیبل یہ پ آن کر کے وہ میبل سے نکلی اور بے افتخار کپکپائی۔ سردی ہست ہی۔ اس نے مکبل ہٹاتے ہوئے بندید کی پانچتی کی طرف اپنی اولی شال ڈھونڈنے کی کوشش کی۔ وہاں نہیں تھی۔ اس نے جنگ کر کارہٹ پر دیکھا اسے یاد آیا کہ شال رات کو صوفے پر رکھی تھی، لیکن اس وقت وہ بندید روم سے نکلنے کی ہست نہیں کر پائی۔ الارم اب بھی نج رہا تھا۔ مگر نظراب بھی نہیں آ رہا تھا۔ اس کی جنمبلہ ہست بڑھ کی تھی۔ تب ہی اس نے اچانک کوئی خیال آئے پر سالار کے بستر کو دیکھا۔ وہ خالی تھا۔ اسے جیسے یک دم یاد آیا کہ وہ "کماں" تھی۔ جنمبلہ ہست یک دم غائب ہوئی اور ساتھ ہی الارم کی آواز بھی۔ یہ سحری کا وقت تھا۔

امامہ سالار کے گھر پر تھی اور یہ اس کی نئی زندگی کا پہلا وطن تھا۔

وہ دوبارہ اپنے بیڈ پر بیٹھ گئی۔ لمبی کے ایک کونے سے اس نے اپنے کندھے ڈھانپے کی کوشش کی۔ اس کے سالار نے ٹھہری رکھی تھی۔ لیکن اب وہاں نہیں تھی۔ ایک چھوٹا رانٹنگ پیڈ اور پین بھی تھا۔ اس نے کارڈیس فون تھا۔ سپانی کی ایک چھوٹی بولی بھی وہیں تھی اور اس کے پاس اس کا سیل پڑا تھا۔ اسے ایک بار پھر الارم کلاک کا خیال آیا۔ اسے یاد تھا کہ اس نے الارم نہیں لگایا تھا یہ کام سالار کا تھا۔ شاید اس نے اپنے لیے الارم لگا لاتھا۔ پھر جیسے اس کے ذہن میں ایک جھماکہ سا ہوا۔ بیڈ کی وہ سائیڈ ہجورات کو اس نے سوچ کے لیے منت کی تھی، وہ سالار کا بستر تھا۔ وہ عادتاً ”وائیں طرف“ تھی اور سالار اسے روک نہیں سکا۔ وہ کھود دیر جس چاپ بیٹھی رہی، پھر اس نے بے حد دھیلے انداز میں اپنا سیل فون اٹھا کر ناممودیکھا اور جیسے کرنٹ کھا کر اس نے کبل اتار پھینکا۔ بھری حتم ہونے میں صرف وہ منٹ باتی تھے اور سالار وہ الارم یقیناً ”اے بیدار کرنے کے لیے“ کا کر کر کیا تھا۔ اسے پے ساختہ غصہ آتا، وہاں سے خود بھی بچکا سکتا تھا۔

جب تک وہ پڑے تیدیل کر کے لاوئنچ میں گئی اسی کا غصہ غالب ہو چکا تھا۔ کم از کم آج وہ اس سے خوش گوار مودو میں ہی سامنا چاہتی تھی۔ سنگ اسی کے ڈائنک ٹیبل پر سحری کے لیے کھانا رکھا تھا۔ وہ بست تیزی سے پکن اس کھانے کے برتن لینے کے لیے گئی تھی لیکن سنگ میں دو افراد کے استعمال شدہ برتن دیکھ کر اسے جیسے روپ کا لگا

جو کچھ ہوا تھا اسے سمجھنے سے نیا ہا اسے ہضم کرنے میں اسے وقت ہو رہی تھی۔ کسی کو بھی ہو سکتی تھی تو سوائے سامنے بیٹھے ہوئے اسی شخص کے جواب وقت کا نئے کے ساتھ آمیٹ کا آخری لکڑا اپنے منہ میں رکھ رہا تھا۔

”پلیز جانے کے بعد مجھے مسیح کرنا۔ مجھے ضروری بات کرنا ہے۔“ اسے فجائے کیوں اس کا مسیح پڑھ کر لصہ آیا۔

”بڑی چلدی یا دیگری میں۔“ وہ مسیح کا نام تم چک کرتے ہوئے پڑھ رہا تھا۔ وہ شاید اس سچاپس پر آیا تھا۔ ”اگر آفس جاتے ہوئے اسے میں یاد نہیں آتی تو آفس میں بیٹھ کر کیسے آسکتی ہوں۔“ وہ اس وقت اس سے جی بھر کر بد گمان ہو رہی تھی اور شاید تھیک آتی ہو رہی تھی۔ وہ بچھل رہا تھا اس کے لیے ”چیف گیٹ“ تھی اور اگلی صبح وہ اس کے ساتھ بن پلائے سماں جیسا سلوک کر رہا تھا۔ کم از کم امامہ اس وقت یہی محسوس کر رہی تھی وہ اس وقت وہ باشیں سورج رہی تھی جو سالار کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھیں۔

وہ کچھ عجیب انداز میں خود تری کا شکار ہو رہی تھی۔ اس نے کمبل تھہ کرتے ہوئے بستر تھک کیا اور بیڈر میں سے پاہر تکل آئی۔ ایسا شفت کی خاموشی نے اس کی اداسی میں اضافہ کیا تھا۔ کھڑکوں سے سورج کی روشنی اندر آ رہی تھی۔ پھر کے سنک میں وہ برتن دیسے ہی موجود تھے جس طرح وہ چھوڑ کر گئی تھی۔

”ہاں وہ بھلا کیوں دھوتا ہے سارے کام تو ملاناوں کے ہوتے ہیں۔ لیکن میں تو نہیں دھوؤں گی، جا ہے ایک ہفتہ ہی پڑے رہیں۔ میں ملازمہ نہیں ہوں۔“ ان برخنوں کو دیکھ کر اس کی خفکی میں پچھہ اور اضافہ ہو گیا۔ اس وقت وہ ہرات منقی انداز میں لے رہی تھی۔

لہ بیڈر میں اسی تواس کا سیل فون نہ رہا تھا۔ ایک لمحے کے لیے اس کو خیال آیا کہ شاید سالار کی کال ہو، لیکن وہ مریم کی کال تھی۔ امامہ کا حال احوال پوچھنے کے بعد اس نے بڑے اشتیاق کے عالم میں امامہ سے پوچھا۔ ”سالار نے منه و کھالی میں کیا رہا ہے؟“ امامہ چند لمحے بول نہیں سکی۔ اس نے تو کوئی تحفہ میں دیا تھا اس سالار کے نامہ اعمال میں ایک اور گناہ کا اضافہ ہو گیا تھا۔

”پچھو بھی نہیں۔“ امامہ نے پچھو دل شکستہ انداز میں کہا۔

”اچھا۔“ چلو کوئی بات نہیں بعد میں دے دے گا، شاید اسے خیال نہیں آیا۔ ”مریم نے بات بدل دی تھی، لیکن اس کا آخری جملہ امامہ کو چھپا۔ اسے خیال نہیں آیا۔“ ہاں واپسی اسے خیال نہیں آیا ہو گا۔ وہ بحد خفکی کے عالم میں سوچتی رہی۔

سالار سے اس کے گھے ٹکلوے اس گھر میں آئے کے دوسرے دن ہی شروع ہو گئے تھے لیکن اس کے باہر جو دوہرہ لا شعوری طور پر اس کی کال کی منتظر تھی۔ کہیں نہ کہیں اسے اب بھی امید تھی کہ وہ کم از کم دن میں ایک بار تو اسے کال کرے گا۔ تم از کم ایک بار سے ایک لمحے کو اسے خیال آیا کہ اسے مسیح کر کے اسے اپنے ہونے کا احساس تو دلانا چاہیے۔ لیکن دوسرے ہی لمحے اس نے اس خیال کو ذہن سے جھٹک دیا۔

وہ بے حد بے ولی سے اپنے کپڑے نکال کر نہانے کے لیے چلی گئی۔ واش روم سے باہر نکلتے ہی اس نے سب سے پہلے سیل فون چیک کیا تھا وہاں کوئی مسیح تھا اور وہ کوئی مسئلہ کال۔

چند لمحے وہ سیل فون پکڑے بیٹھی رہی پھر اس نے اپنی ساری انا اور سارے فہمے کو بلائے طاق رکھ کر اسے مسیح کر دیا۔

اس کا خیال تھا وہ اسے فوراً ”کال“ کرے گا لیکن اس کا یہ خیال غلط ثابت ہوا تھا پانچ منٹ میں مفت پھرہ منٹ۔ اس نے اپنی انا کو پکھا اور منٹ کرتے ہوئے اسے مسیح کیا۔ بعض و بعض مسیح پہنچتے بھی تو نہیں ہیں، پہنچتے اس کے نام پر پڑی تھی۔ وہ چونکا اٹھی اسے فوری طور پر یاد نہیں آیا کہ اس نے سالار کا نام اور فون نمبر کب محفوظ کیا تھا۔ یقیناً ”یہ بھی اسی کا کارنامہ ہو گا۔“ اس نے اس کا ایسیں ایم ایل پر ڈھنٹا شروع کیا۔

”عزت نفس“ نے اسے جوایا ”ذوب مردنے کے لیے کہا تھا۔ فون اب بھی نہیں آیا تھا، لیکن بریک کے باہر جو دو ماہ

”اور اگر کوئی صدقہ وغیرہ دے سکو تو اور بھی بہتر ہے۔“ فرقان نے اس کے رد عمل کو مکمل طور پر نظر انداز کرتے ہوئے کہا۔ سالار اب بھی خاموش رہا۔ ”آمنہ سحری نہیں کرے گی؟“ فرقان کو یک سوم خیال آپا۔

”سورہ ہی ہے وہ ابھی میں الارم لگا آیا ہوں ابھی کافی وقت ہے سحری کا نام مختتم ہوئے میں۔“ سالار نے کچھ

”فرقان! اب میں کہو۔“ اس سے بہت کرتے کرتے ایک بار پھر فرقان کی نظر سے جنمبلایا۔ پھر اسے

”مجھے اس طرح آنکھیں پھاڑ کے دیکھتا ہے کرو۔“ اس نے اس بار کچھ خلکی سے فرقان سے کہا۔ ”تم۔ تم بنت نیک آدمی ہو سالار۔ اللہ تم سے بنت خوش ہے۔“ وہ آمیٹ کا ایک اور لکڑا لیتے لیتے فرقان کی بات پر لہنہ کیا۔

اس کی بھوک یک سوم مختتم ہو گئی تھی۔ مزید ایک لفظ کے بغیر اس نے پلیٹ پیچھے ہٹا دی اور اپنے برتن انھا کر اندر پکن میں لے گیا۔ وہ خوشی اسرشاری، طمیتان اور سکون جو کچھ درپہلے جیسے اس کے پورے وہودے پر چھک رہا تھا، فرقان نے لیک مجمکتے اسے وہاں بن کر غائب ہوتے رکھا۔

مسجد کی طرف جاتے ہوئے فرقان نے بالآخر اس سے پوچھا تھا۔ ”انتے چب کیوں ہو گئے ہو؟“ وہ اسی طرح خاموشی سے چلتا رہا۔

”میری کوئی بات بڑی گلگی ہے؟“

”لہاب بھی خاموش رہا۔ مسجد کے دروازے پر اپنے جو گز اتار کر اندر جانے سے پہلے اس نے فرقان سے کہا۔“

”مجھے تم سب پچھ کر لیتا فرقان! لیکن بھی نیک آدمی مت کرنا۔“

فرقان پچھوں نہیں سکا۔ سالار مسجد میں داخل ہو گیا تھا۔

\* \* \*

”میں نے آپ کو نیند سے جگایا؟“

وہ معدہ تھواہنہ انداز میں بولے۔ انہوں نے اس کی رندھی ہوئی آواز پر غور نہیں کیا تھا۔

”نہیں میں اٹھ گئی تھی۔“ اس نے بستر سے اٹھتے ہوئے جھوٹ بول۔

وہ اس کا حال احوال پوچھتے رہے۔ وہ بڑے بو جھل مل کے ساتھ تقریباً ”خالی الذہنی“ کے عالم میں ہوں ہاں میں جواب دیتی رہی۔

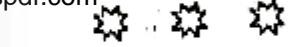
چند منٹ اور بات کرنے کے بعد انہوں نے فون بند کر دیا۔ کال مختتم کرتے ہوئے اس کی نظر پہنچنے سیل فون میں حفظ کرنے کے نام پر پڑی تھی۔ وہ چونکا اٹھی اسے فوری طور پر یاد نہیں آیا کہ اس نے سالار کا نام اور فون نمبر کب محفوظ کیا تھا۔

رمضان نہ ہوتا تو شاپدہ اس وقت اپنی "معزت نفس" کو اس کے قبیل مصروف ہونے کا بہانہ پیش کرتی۔  
ابعدہ واقعی ناخوش تھی بلکہ ناخوش سے بھی زیادہ، اب اس کاں روئے کو جہاہ رہا تھا۔  
پچھے دیر بعد اس نے سالار کے سیل پر کال کی۔ وہ سالار کے بعد کالی کسی لڑکی نے ریسیوکی۔ ایک لمحے کے لیے  
امامہ کی بھجھیں نہیں آیا۔ سالار کے بجائے کسی لڑکی کی آواز کی وجہ نہیں کردی تھی۔  
"میں آپ کی کیا بھلپ کر سکتی ہوں نیم؟" ہرگز کے بڑی شاشکی کے ساتھ اس سے پوچھا۔

"سالار سکندر صاحب تو ایک مینگ میں ہیں۔ اگر آپ کوئی کلام میں آپ کی مدد کر سکتی ہوں یا آپ میسج چھوڑ دیں ان کے لیے۔ مینگ میں بریک آئے گی تو میں اپنیں انفارم کر دیں گے۔" اس لڑکی نے بے حد پر نیشنل انداز میں کہا۔ امامہ خاموش رہی۔  
"ہیلوس میں امامہ!" اس لڑکی نے یقیناً سالار کے سیل پر اس کی آئی ڈی پڑھ کر اس کا نام لیا تھا وہ اب اسے متوجہ کر رہی تھی۔  
"میں بعد میں کال کر دیں گے۔" اس نے بدھی کے ساتھ فون بند کر دیا۔

"تو وہ مینگ میں ہے اور اس کا سیل تک اس کے پاس نہیں۔ اور مجھے کہہ رہا تھا کہ میں جانے کے بعد اسے انفارم کر دیں گے۔" وہ دل بروائی ہو گئی تھی۔

[www.urdunovelspdf.com](http://www.urdunovelspdf.com)



"ارے بیٹا! میں تو کب سے تمہارے فون کے انتظار میں بیٹھی ہوں۔ تمہیں اب یاد آئی سعیدہ امال کی۔"  
سعیدہ امال نے اس کی آواز سنتے ہی گھر کیا۔  
اس نے جواباً بے حد مکروہ بہانے پیش کیے۔ سعیدہ امال نے اس کی وضاحتوں پر غور نہیں کیا۔  
"سالار تھیک تو ہے تا تمہارے ساتھ؟"

انہوں نے اس سوال کے مضمرات کا اس صورت حال میں سوچ بخوبی جھما اور امامہ کے صبر کا یہی بیانہ لبریز ہو گیا تھا۔ وہ یکدم پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی تھی۔ سعیدہ امال بڑی طرح ہمدردی تھی۔  
"کیا ہوا بیٹا؟" ارے اس طرح کیوں روزہ روزہ ہوئے؟ میرا تو دل ہجرا نہ لگا ہے۔ کیا ہو گیا آمنہ؟ سعیدہ امال کو یہی سے لفڑی کے لئے آنے لگے تھے۔

"سالار نے کچھ کہہ دیا ہے کیا؟" سعیدہ امال کو سب سے پہلا خیال ہی آیا تھا۔  
"مجھے اس سے شادی نہیں کرنی چاہیے تھی۔" امامہ نے ان کے سوال کا جواب دیے بغیر کہا۔  
سعیدہ امال کی حواس بانٹنی میں اضافہ ہوا۔

"میں نے کہا بھی تھا آپ سے۔" وہ روئی چارہ تھی۔  
"کیا وہ اپنی پہلی بیوی کی باتیں کرتا رہا ہے تم سے؟" سعیدہ امال نے سالار کے حوالے سے لاحق واحد خدشے کا بے اختیار ذکر کیا۔

لیکن سالار کے پیسے اس وقت اس کے دل میں اتنا غصہ بھرا ہوا تھا کہ اس نے بلا سوچ سعیدہ امال کے خدشے کی تقدیم کی تھی۔  
"مجی۔" اس نے روئے ہوئے جواب دیا۔

سعیدہ امال کے سینے پر جیسے کھونسا گا۔ یہ خدشہ تو اپنیں تھا لیکن ان کا خیال تھا کہ اپنے گھر لے جاتے ہی پہلے ان تو وہ کم از کم اپنی اس کنی سال پر انی مغناوہ کا ذکر نہیں کرے گا۔ امامہ کو سالار پر کیا غصہ آتا تھا جو سعیدہ امال کو آیا۔  
لیکن اپنیں یک دم پچھتا اہوا تھا۔ والی کیا ضرورت تھی یوں راہ چلتے کسی بھی دلکش کے آدمی کو پکڑ کر یوں اس کی شادی کروئے کی۔ انہوں نے پچھتا تھے ہوئے سوچا۔

"تم فکر نہ کر دیں میں خود سبط علی بھائی سے بات کر دیں گی۔" سعیدہ امال نے بے حد فحص میں کہا۔  
"کوئی فائدہ نہیں امال! اب میری قسم ہی خراب ہے۔"

سعیدہ امال کا پاس آئے والی عورتوں کے منہ سے کمی بدارنا ہوا گھس پا جملہ کس طرح اس کی زبان پر آیا، اس کا انداز امامہ کو نہیں ہوا لیکن اس جملے نے سعیدہ امال کے دل پر جیسے آری چلا دی۔  
"ارے کیوں قسم خراب ہے۔ کوئی ضرورت نہیں ہے وہاں رہنے کی۔" تم ابھی آجاو اس کے گھر سے۔  
ارے میری معصوم بچی پر اتنا ظلم۔ ہم نے کوئی جنم میں تھوڑا پھینکنا ہے نہیں۔"  
امامہ کو ان کی بالوں پر اور رونا آیا۔ خود ترسی کا اگر کوئی ماونٹ ایورست ہو تو اس وقت اس کی چوٹی پر جھنڈا گا اور بیٹھی ہوتی۔

"بیس! تم ابھی رکھہ لوا اور میری طرف آجاو۔ کوئی ضرورت نہیں ہے اور ہر بیٹھے رہنے کی۔"  
سعیدہ امال نے دلوں کی الفاظ میں کہا۔

مخفیکو مزید جاری رہتی تو شاپدہ امامہ بغیر سوچ سمجھے رہتے ہوئے اسی طرح دہاں سے چل بھی پڑتی۔ وہ اس وقت پچھے اتنی آئی جذبائی ہو رہی تھی لیکن سالار کے ستاروں کی گروش اس نہ صرف چند لمحوں کے لیے اچھی ثابت ہوئی۔ سعیدہ امال سے بات کرتے کرتے کال کٹ گئی تھی اس کا کریڈٹ ختم ہو گیا تھا۔ امامہ نے لینڈ لائن سے کال کرنے کی کوشش کی لیکن کال نہیں ملی۔ شاید سعیدہ امال نے فون کا ریسور کریڈٹ پر ٹھیک سے نہیں رکھا۔ وہ بڑی طرح جھنجڑا تھی۔

سعیدہ امال سے بات کرتے ہوئے وہ اتنی دیر میں پہلی بار بہت اچھا محسوس کر رہی تھی یوں جیسے کسی نے اس کے دل کا بوجھہ ہلکا کر دیا ہو۔ اس وقت جس "متعصب" جانب داری کی ضرورت تھی انہوں نے اسے وہی دی تھی۔ ان سے بات کرتے ہوئے روانی اور فراوانی سے بخواںے آنے والے آنے والے کیوں یہیں کیوں تھے۔ وہاں سے دس میل کے فاصلے را پہنچ کے بورڈروم میں بیٹھی ایولیووائشن فیم کوئی جانے والی پرینٹنیشن کے اختتامیہ سوال وجواب کے سینٹر میں کریڈٹ بیلنگ اینڈ ڈرست فیکٹر سے متعلقہ کسی سوال کے جواب میں بولتے ہوئے سالار کو اندازہ بھی نہیں تھا کہ اس کے گھرے موجودوں کی ایک دن کی بیوی اور نو سالہ "محبوبہ" ہم گھر بیٹھی سے زیادہ ضرورت تھی۔

سونا ہو گیا۔ روانا بھی ہو گیا۔ اب اور کیا رہ گیا تھا۔ امامہ نے ٹوٹے ہی ٹوٹے آنکھیں اور ناک رکڑتے ہوئے الٹا خور ریسیور رکھتے ہوئے سوچا۔ اسے پہن کے سنک میں پڑے برخنوں کا خیال کیا۔ بڑی ہم عمل سے وہ پہن میں گئی اور ان برخنوں کو دھونے لگی۔

وہ شام کے لیے اپنے کپڑے نکالنے کے لیے ایک بار پھر بیٹھ روم میں آئی اور تبھی اس نے اپنا سیل فون بجھے لیا۔ لیکن سالار کے پیسے اس وقت اس کے دل میں اتنا غصہ بھرا ہوا تھا کہ اس نے بلا سوچ سعیدہ امال کے خدشے کی تقدیم کی تھی۔  
"مجی۔" اس نے روئے ہوئے جواب دیا۔

”ہاں میں بھی سوچ رہا تھا کہ اسکی تو کوئی بات نہیں ہوگی جس پر تمہارا موڑ آتے ہو۔“ کھڑکی سے باہر رکھتے چند لمحوں کے لیے اس کاں چالا، وہ فون کو دیوار پر دے مارے لیکن وہ اس کا اپنا فون تھا۔ سالار کو کیا فرق پڑتا۔

وہ اس سے رات کو اتنا لمبا چوڑا اظہار محبت نہ گرتا تھا، آج اس سے واقعات کا سیہ انبار لگا کرنے پتھی ہوئی لیکن سالار کے ہر جملے پر اس نے لا شوری طور پر پھیلی رات اپنے دامن کے ساتھ ایک گردہ پاندھی تھی اور گرہوں سے بھرا وہ دامن اب اسے بڑی طرح تک کرنے لگا تھا۔

”میں تمہیں آج فون کرتا رہا تھا، تم نے فون ہی نہیں اٹھایا۔“ وہ رائیو کرتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ امامہ کو سوچتے ہوئے عجیب سی لسلی ہوئی۔

”چھا ہوا تمہیں اٹھایا یعنی اس نے محسوس تو کیا کہ میں جان بوجہ کر اس کی کال نہیں لٹکا رہی۔“ ”پھر میں نے گھر کے نمبر پر فون کیا۔ وہ بھی انکے بعد تھا، تم یقیناً“ اس وقت مصروف تھیں اس لیے کال نہیں لے سکیں۔ ”وہ بے حد عام سے لبجے میں کہہ رہا تھا، وہاں پے نیازی کی اتنا تھی۔

امامہ کے رنج میں اضافہ ہوا۔ پھر اسے یاد آیا کہ اس کے فون کا بیلس ختم ہو چکا تھا۔ ”مجھے اپنے فون کے لیے کارڈ خریدنا ہے۔“

سالار نے اسے یک دم کھتے سنا، وہ اپنا ہند بیک کھولے اس میں سے کچھ لکال رہی تھی اور جو جیز اس نے نکال کر سالار کو پیش کی تھی، اس نے چند لمحوں کے لئے سالار کو ساکت کرو یا تھا۔ وہ ہزار روپے کا ایک لوٹ تکل۔ وہ اس کے تاثرات سے بے خراب بونڈ سکرین سے پاہر کی ایسی شاپ کو ڈھونڈنے کی کوشش کر دی تھی جمال پر وہ کارڈ و دستیاب ہوتے سالار نے اپنی طرف بڑھے ہوئے اس کے ساتھ کو پیچھے کرتے ہوئے کہا۔

”واپسی پر لیتے ہیں۔ اور اس کی ضرورت نہیں ہے۔“ امامہ نے جونک گرائے دیکھا۔

”تمہیں آنکھیں بند کر کے اپنا سیل فون تمہارا یا تھا جب تم میری کچھ نہیں تھیں تو اب کیا پیسے اول گاتم سے؟“

گاڑی میں کچھ عجیب سی خاموشی در آئی تھی۔ دونوں کو بیک وقت کچھ یاد کیا تھا اور جو یاد آیا تھا اس نے یک دم وقت کو وہیں روک دیا تھا۔

بہت غیر محسوس انداز میں امامہ نے یا تھوڑیں پکڑے کاغذ کے اس کلڑے کو بہت سی تھوڑیں میں لپیٹنا شروع کر دیا۔ اس نے اس کی ساری رقم لوٹا دی تھی، بلکہ اس سے زیادہ ہی جھٹی اس نے فون، فون کے بل اور اس کے لیے فرج کی ہوگی۔ مگر احسان یقیناً اس کے احسانوں کا وزن بست زیاد تھا۔ اس نے کاغذ کی لپٹی تھوڑیں کو روپا رہ بیک میں ڈال لیا۔ صبح سے اکٹھی کی ہوئی بد گمانیوں کی وہندہ یکدم چھٹ گئی تھی یا کچھ دیر کے لیے امامہ کو ایسا یہ محسوس ہوا۔

باہر سڑک پر وہندہ تھی اور وہ بڑی احتیاط سے گاڑی چلا رہا تھا۔ امامہ کاں چالا، وہ اس سے کچھ بات کرے لیکن وہ خاموش تھا۔ شاید کچھ سوچ رہا تھا لفظ ڈھونڈ رہا تھا۔

”آج سارا دن کیا کرتی رہیں تم؟“ اس نے بالآخر گفتگو کا روپا رہ آغاز کرنے کی کوشش کی تھی۔ پورا دن فلیٹ کی طرح امامہ کی آنکھوں کے سامنے سے گزر گیا۔ امامہ کو نہ امت ہوئی، وہ جو کچھ کرتی رہی تھی، اسے بتا دیں سکتی تھی۔

”میں سوتی رہی۔“ اس نے پورے دن کو تین لفظوں میں سیسی دیا۔

”ہاں مجھے انداز تھا، جاں رہی ہوئیں تو میری کال ضرور بیسو کریں۔“ ایک بار پھر خاموشی چھا گئی۔

کھڑکی سے باہر رکھتے وہ چند لمحوں کے لیے ساکت ہوئی پھر اس نے کہا۔

ڈاکٹر سبھٹ علی کھر نہیں تھے۔ آئٹی کلشوم نے بڑی گرم جوشی کے ساتھ اس کا استقبال کیا اور وہ بھی جس حد تک مصنوعی جوش و خروش اور اطمینان کا مظاہرہ کر سکتی تھی، مل کر افطار اور ڈنر کی تیاری کرواتی رہی۔ آئٹی کے منع کرنے کے باوجود وہ ان کے ساتھ مل کر افطار اور ڈنر کی تیاری کرواتی رہی۔

ڈاکٹر سبھٹ علی افطار سے کچھ دیر پہلے آئے تھے اور انہوں نے امامہ کی سمجھی دی تو اس کے ساتھ کا تعلق سالار سے نہیں جوڑا تھا۔ وہ جوڑ بھی کسے سکتے تھے سالار، افطار کے تقریباً ”آجھے“ گھٹنے کے بعد آیا تھا۔

اور امامہ سے پہلی نظر ملتے ہی سالار کو انداز ہو گیا تھا کہ سب کچھ ٹھیک نہیں ہے۔ وہ اس کی خیر مقدمی مسکراہٹ کے جواب میں مسکرائی تھی، نہیں اس نے ڈاکٹر سبھٹ علی اور ان کی بیوی کی طرح گرم جوشی سے اس کے سلام کا جواب دیا تھا۔ وہ بس نظریں چڑا کر لا اونچ سے اٹھ کر بھن میں چلی گئی تھی۔ ایک لمحہ کے لیے سالار کو لگا کہ شاید اسے غلط فہمی ہوئی ہے۔ آخر وہ اس سے کس بات پر ناراض ہو سکتی ہے۔

وہ ڈاکٹر سبھٹ علی کے پاس بیٹھا ان سے باقیں کرتا ہوا اپنے ذہن میں پچھلے جو بیسی گھنٹوں کے واقعات کو دوہرائی اور کوئی ایسی بات ڈھونڈنے کی کوشش کرتا رہا جو امامہ کو خفا کر سکتی تھی۔ اسے ایسی کوئی بات یاد نہیں آئی۔ ان کے درمیان آخری گفتگو رات کو ہوئی تھی۔ وہ اس کے بازو پر سر دھکے باقیں کرتی سوتی تھی۔ خفا ہوتی تھی۔ وہ الجھہ رہا تھا۔

”کم از کم میں نے ایسا کچھ نہیں کیا جو اسے برالگا ہو، شاید یہاں کوئی ایسی بات ہوئی ہو۔“ سالار نے خود کو بڑی الذمہ قرار دیتے ہوئے سوچا۔ ”لیکن یہاں کیا بات ہوئی ہوئی ہے؟... شاید میں کچھ ضرورت سے زیادہ حساس ہو کر سوچ رہا ہوں، غلط فہمی بھی ہو سکتی ہے مجھے۔“

وہ اب خود کو تسلی دے رہا تھا یعنی اس کی جھٹی جس اسے اب بھی اشارہ دے رہی تھی بے شک وہ اس سے نو سال بعد ملا تھا مگر تو سال پسلے دیکھے جانے والا اس کا ہر موڑ اس کے ذہن پر جسڑا تھا اور وہ امامہ کے اس موڑ کو بھی جانتا تھا۔

ڈنر نہیں دیوار سے اس نے خود کو سنبھال لیا تھا لیکن وہ بار بار ڈنر سرپر ہو رہا تھا۔

وہ ساڑھے دس بجے کے قریب ڈاکٹر سبھٹ علی کے گھر سے سعیدہ اماں کے گھر جانے کے لیے لکھتے اور سالار نے بالآخر اس سے پوچھا ہی لیا۔

”تم مجھ سے خفا ہو؟“ کھڑکی سے باہر رکھتے وہ چند لمحوں کے لیے ساکت ہوئی پھر اس نے کہا۔

"لیا" میں اور انتیا آرہے ہیں کل شام۔ "سالار نے کچھ دیر کے بعد کہا۔  
اماہ نے چونک کراستے دیکھا۔

"تم سے ملنے کے لیے؟" اس نے مزید اضافہ کیا اور بالآخر سرمال کے ساتھ اس کا پہلا رابطہ ہونے والا تھا۔  
اماہ کو اپنے پیش میں گریں تھی محسوس ہوئی۔

"تم نے انہیں میرے سارے میں بتایا ہے؟" اس نے بے حد نہیں تھے الفاظ میں پوچھا۔

"میں، لیکن آج جتاوں گلبا کوفون پر۔" وہ عنڈ سکردن سے باہر دیکھتے ہوئے کہ رہا تھا۔  
اماہ نے اس کے چہرے کو شکنی کی تو شکنی کی۔ کوئی پریشانی، تھوٹش، اندرش، خوف، چھٹاواں وغیرہ کچھ  
بھی پڑھنے میں ناکام رہی۔ اس کا چہرہ بے تاثر تھا اور اگر اس کے مل میں کچھ تھا بھی تو وہ اسے بڑی ممارت سے  
چھپائے ہوئے تھا۔

اماہ نے اس کی محبتی نظروں کو اپنے چہرے پر محسوس کیا۔ اس نے اماہ کی طرف دیکھا اور مسکرا کیا۔ اماہ  
نے بے اختیار نظریں ہٹائیں۔

"انتیا کی للاٹ ساری ہے پاچ بجے اور پیاسا کی صلت بجے ہے۔ میں کل بینک سے جلدی ایک پورٹ چلا جاؤں گا۔"  
پھر می اور پیاسا کو لے کر میرا خیال ہے فویسا ساری ہے تو بجے تک گھر پہنچوں گا۔"

"یہ تم نے کیا پہنا ہوا ہے؟" سالار نے یکدم اس کے لباس کی طرف متوجہ ہوتے ہوئے کہا۔  
تین لمحے پہنچاں میں کہہ پہنا ہوا ہے۔ یہ سوچ کر اماہ کی خغلی میں  
کچھ اضافہ ہوا۔

"کپڑے۔" اماہ نے جواب دیا۔

سالار اس کی بیات پر بے اختیار رہتا۔ "جانا ہوں کپڑے پہنے ہیں ہمیں لیے تو پوچھ رہا ہوں۔"  
اماہ گردن موڑ کر گھر کی سے باہر دیکھنے لگی کہ اپنے تعریف کرے گا۔ اس نے سوچا دریے سے سی، لیکن اسے  
پیرے کپڑے نظر تو آئے۔ اس کی خغلی میں کچھ اور کمی ہوئی۔

"کون سا کلر ہے؟" سالار نے اپنے پیروں پر پہلی گلباڑی ماری۔  
کمٹی سے باہر دیکھتے ہوئے اماہ کامل چاہا، وہ چلتی گاڑی کا اور وہنے کھول کر باہر کو جائے پوئے چار کھنے میں وہ

کھا اور پھر ان کے ساتھ ہی اپنے میں جلی کی۔ سالار ہونقوں کی طرح ہیاں بیٹھا رہ گیا۔  
اس کے کپڑوں کا رنگ بھی نہیں پچان سکا تھا۔ اس کا مطلب تھا کہ اس نے اسے غور سے دیکھا نہیں تھا۔

"پتا نہیں۔" اس نے اسی طرح گھر کی سے باہر جھاکتے ہوئے بے حد سردمی سے کہا۔  
"ہاں میں بھی اندانہ نہیں کر سکا۔ آج کل خواتین، سنتی بھی تو بڑے عجیب عجیب گلریں۔" سالار نے اس کے  
لہجے پر غور کیے بغیر عام سے اندانہ میں کہا۔

وہ زنک اور کاپر کے سب سے زیادہ ان شیڈ کو "عجیب" کہہ رہا تھا۔ اماہ کو رنج ساری نہ ہوا۔ سالار شوہروں کی

تاریخی غلطیاں دہرا رہا تھا۔ اس بار اماہ کامل تک نہیں جھاہا کہ وہ اسی کی بات کا جواب دے، وہ اس قابل نہیں تھیں تھا۔

اسے یاد آیا۔ اس نے کل بھی اس کے کپڑوں کی تعریف نہیں کی تھی۔ کپڑے سے؟ اس نے تو اس کی بھی تعریف  
نہیں کی تھی۔ اظہار محبت کیا تھا اس نے۔ لیکن تعریف نہیں کی تھی اس نے۔ وہ پھر صورت نہیں لگی تھی کہ وہ  
رات کو یاد کرتے ہوئے تصدیق کر رہی تھی، اسے دکھا کیا وہ اسے اتنی بھی خوب صورت نہیں لگی تھی کہ وہ

ایک بارہی کہہ دیتا۔ کوئی ایک جملہ، ایک لفظ، کچھ بھی نہیں، وہ ایک بار پھر خود ترسی کا شکار ہونے لگی۔ عورت  
اظہار محبت اور ستائش کو بھی "ہم معنی" نہیں سمجھتی۔ سے کام مرد کرتا ہے اور غلط کرتا ہے۔

ورائیوں کرتے ہوئے سالار کو اندانہ نہیں ہوا کہ گفتگو کے لیے موضوعات کی تلاش میں اور ہرادھر کی ہاتیں

کرتے اس نے کس قدر تکین موضع کو چھیڑ رہا تھا وہ بڑے اطمینان سے جیسے ایک باروںی سرکنک کے اوپر پاؤں  
وہ اکھڑا ہو گیا تھا جو اس کے پاؤں اٹھاتے ہی نہیں جاتی۔

وہ اکھڑا ہو گیا تھا جو اس کے پاؤں اٹھاتے ہی نہیں جاتی۔

سعیدہ اماں کی گلی میں گاڑی پارک کرنے کے بعد سالار نے ایک بار پھر امامہ کے مودیں تبدیلی محسوس کی۔

اس نے ایک بار پھر اسے اپنا وہم کر دانا۔ ابھی کچھ دیر پہلے واکثر سبط علی کے گھر پہ بھی خاطر فتنی کا شکار رہا۔ آخر ہو

گیا کیا ہے مجھے۔ وہ بھلا کیوں صرف پوہیں کھنے میں مجھے نہ راض ہوتی پھرے گی۔ اس نے اطمینان سے

کھنے میں بھنے ہے؟ وہ بھلا کیوں صرف پوہیں کھنے میں مجھے نہ راض ہوتی پھرے گی۔

سعیدہ اماں دروانہ کھو لتے ہی امامہ سے پٹ گئی تھیں۔ چند لمحوں بعد وہ آنسو بارہی تھیں۔ سالار جز بڑا ہوا۔

2 فرستے عرصے سے وہ اکٹھے رہ رہی تھیں۔ یقیناً لوتوں ایک دوسرے کو مس کر رہی ہوں گی۔ اس نے بالآخر خود

کو سمجھایا۔

سعیدہ اماں نے سالار کے سلام کا جواب دیا۔ نہ ہی یہیش کی طرح اسے گلے لگا کر پیار کیا۔ انہوں نے امامہ کو گلے

لگایا، اس سے پٹ کر آنسو بھائے اور پھر اسے لے کر اندر جائیں۔ وہ بکار بکار دروازے میں ہی کھڑا رہ گیا تھا۔

الیں کیا ہوا؟ وہ پہلی بار بڑی طرح کھٹکا تھا۔ اسے احساس کو وہم سمجھ کر جھٹکنے کی کوشش اس پار کامیاب نہیں

ہوئی۔ کچھ غلط تھا مگر کیا۔ اس کو کچھ دیروہیں کھڑا رہا پھر اس نے پٹ کر بیرونی دروانہ بند کیا اور اندر جلا آیا۔

وہ لوتوں کچھ بھائیں کر رہی تھیں آسے دیکھ کر یک دم حب پہنچا۔ سالار نے امامہ کو اپنے آسوپو پھختہ دیکھا۔

وہ ایک بار پھر اسے سارے اختراء سے بے انتہا رہا۔

"میں چائے لے کر آتی ہوں۔ باداں اور گاجر کا حلہ بنا لیا ہے آج میں نے۔" سعیدہ اماں یہ کہتے ہوئے کھنڈی

ہوئیں۔ سالار نے بھائیں ٹوکا۔

"سعیدہ اماں! اسی جنیز کی ضرورت نہیں ہے۔ ہم لوگ کھانا کھا کر آئے ہیں اور چائے بھی پیاں ہے۔ صرف

آپ سے ملنے کے لیے آئے ہیں۔"

وہ کہتے کہتے رک گیا۔ اسے احساس ہوا کہ وہ بیکھش سرے سے اسے کی ہی نہیں گئی تھی۔ سعیدہ اماں مکمل طور

پر امامہ کی طرف متوجہ تھیں اور امامہ اسے کچھ کھانے پینے میں متأمل نظر نہیں آئی۔

"میں لھاؤں گی اور میں آپ کے ساتھ چلتی ہوں آپ کس طرح اٹھائیں گی برتن۔" امامہ نے سعیدہ اماں سے

کھٹکی سے باہر دیکھتے ہوئے امامہ کامل چاہا، وہ چلتی گاڑی کا اور وہنے کھول کر باہر کو جائے پوئے چار کھنے میں وہ

اس کے کپڑوں کا رنگ بھی نہیں پچان سکا تھا۔ اس کا مطلب تھا کہ اس نے اسے غور سے دیکھا نہیں تھا۔

اگلے پندرہ منٹوں اس صورت حال پر غور کرتا، دویں بیٹھا کمرے کی جنیزوں کو دیکھتا رہا۔

بالآخر پندرہ منٹ کے بعد امامہ اور سعیدہ اماں کی واپسی ہوئی۔ اسے امامہ کی آنکھیں پلے سے کچھ زیادہ سرخ

اور متورم لیکن یہی حال کچھ اس کی ناکاہارہ تھا۔ "چون میں روئی رہی تھی مگر کس لیے؟ وہ اپنے الجھر رہا تھا۔ کم

از کم اب وہ آنسو سے سعیدہ اماں اور اس کی باہمی محبت ویگانگت کا نتیجہ نہیں لگ رہے تھے۔ سعیدہ اماں کے

وہ زنک اور کاپر کے سب سے زیادہ ان شیڈ کو "عجیب" کہہ رہا تھا۔ اماہ کو رنج ساری نہ ہوا۔ سالار شوہروں کی

تاریخی غلطیاں دہرا رہا تھا۔ اس بار امامہ کامل تک نہیں جھاہا کہ وہ اسی کی بات کا جواب دے، وہ اس قابل نہیں تھا۔

اسے یاد آیا۔ اس نے کل بھی اس کے کپڑوں کی تعریف نہیں کی تھی۔ کپڑے سے؟ اس نے تو اس کی بھی تعریف

نہیں کی تھی۔ اظہار محبت کیا تھا اس نے۔ لیکن تعریف نہیں کی تھی اس نے۔ وہ پھر صورت نہیں لگی تھی کہ وہ

رات کو یاد کرتے ہوئے تصدیق کر رہی تھی، اسے دکھا کیا وہ اسے اتنی بھی خوب صورت نہیں لگی تھی کہ وہ

ایک بارہی کہہ دیتا۔ کوئی ایک جملہ، ایک لفظ، کچھ بھی نہیں، وہ ایک بار پھر خود ترسی کا شکار ہونے لگی۔ عورت

اظہار محبت اور ستائش کو بھی "ہم معنی" نہیں سمجھتی۔ سے کام مرد کرتا ہے اور غلط کرتا ہے۔

ورائیوں کرتے ہوئے سالار کو اندانہ نہیں ہوا کہ گفتگو کے لیے موضوعات کی تلاش میں اور ہرادھر کی ہاتیں

”بیویوں کے بڑے حقوق ہوتے ہیں۔“  
اپنی پلیٹ میں ڈالے حلوے کو جچ سے ہلاتے سالار لھٹھکا۔ اس نے ہمے سعیدہ اماں کو دیکھا پھر امامہ کو سمجھی تھی۔ اور سچھ گزرا ہی بھی۔ سالار کے پیٹھ پیچھے اس کی برائی اور اس کے کلے ٹکوئے کرنا اور بات واقعی تھی کہ اس کے سامنے بیٹھ کر رہا تھا، خاص طور پر جب ان الزامات کا کچھ حصہ کسی جھوٹ پر بنی ہوا۔  
سالار اب بے حد شجیدہ تھا اور امامہ قدرے لائقی کے انداز میں سر جھکائے حلوے کی پلیٹ میں جمع ہلا رہی۔

”بھی۔“ اس نے ان کی تائید کی۔

”ہوتے کھس گئے لڑکے کی ماں کے چکر لگا کر، محلے کے ہر معزز آدمی سے کھلوایا اس نے، میرے مال تک کو انگلینہ فون کرایا اس رشتے کے لیے۔“ سعیدہ اماں بول رہی تھیں۔  
سالار اب بے حد شجیدہ تھا اور امامہ قدرے لائقی کے انداز میں سر جھکائے حلوے کی پلیٹ میں جمع ہلا رہی۔

”اس کے ماں باب نے کہا کہ جو چاہیں حق مریں لکھوالیں، بہس اٹھا بھی کوہاری بیٹھا دیں۔“  
سالار نے بے حد جتنا ڈالے انداز میں اپنی رست و اچ بیوں دیکھی جیسے اسے دیر ہو رہی تھی۔ سعیدہ اماں کو اس کی اس حرکت پر بڑی طرح تاؤ آیا۔ اس گفتگو کے جواب میں کم از کم وہ اس سے اس بے نیازی کی توقع نہیں کر رہا تھا۔

”ابھی آج بھی اس کی ماں آئی ہوئی تھی۔ بہت السوس سے کہہ رہی تھی کہ بڑی زیادتی کی ان کے پیٹھ کے ساتھ میں نہیں۔ ایک بار نہیں ددبا۔ کہہ رہی تھی کہ ہمیں چھوڑ کر کسی اپرے غیرے کے ساتھ پکڑ کر بیاہ دیا۔ میرا بیٹا کیوں نظر نہیں آیا آپ کو۔ رانچوں کی طرح رکھتا آئندہ کو۔ دکھ دکھ کر جیتا۔“  
سعیدہ اماں اب مبالغہ آمیزی کی آخری حدود کو چھوٹے کی سر توڑ کیوش کر رہی تھیں۔ سامنے بیٹھے ہوئے بھر کے چہرے پر اب بھی مرعوبیت نام کی کوئی چیز نمودار نہیں ہوئی تھی۔ وہ شجیدہ چہرے کے ساتھ انہیں یک لکھ دیکھ رہا تھا۔ سعیدہ اماں کو لگا، انہوں نے اس کے ساتھ شادی کر کے واپسی آئندی قسمت پھوڑی تھی۔

بے حد تھکنی کے عالم میں انہوں نے سردوی کے موسم میں بھی بیانی کا گلاس اٹھا کر ایک گھوٹ میں پا تھا۔ اس کی بھamoشی امامہ کو بھی بڑی طرح چھپی تھی۔ وہ رات کو اس سے کیا کچھ کہہ رہا تھا اور اب یہاں سعیدہ اماں کو تھا نے لیے اس کے پیاس ایک لفظ بھی نہیں تھا کہ وہ اس کے لیے اہم ہے۔ یا وہ اس کا خیال رکھے گا۔ یا کوئی اور دعہ۔ کوئی اور بیان۔ کوئی اور بات۔ کچھ تو کہنا چاہیے تھا سے سعیدہ اماں کے سامنے۔ اسے عجیب ہے تدری اور بے ولعتی کا احساس ہوا تھا۔ رنج کچھ اور سوا ہوا۔ فاصلہ کچھ اور پرستھ تھا۔ اس نے کسی دوسرے کے سامنے بھی اسے تشریف کے دلوں کے قابل نہیں سمجھا تھا۔ اکیلے میں تعریف نہ کرے لیکن یہاں تھی کچھ کہہ رہتا۔ کچھ تو۔ اس کا فل ایک بار پھر بھر آیا۔ وہ یہ نہیں چاہتی تھی کہ سالار اس سے رہا تھی شوہروں والا رہیہ رکھے گیں خود وہ اس سے رہا تھی بیوی والی ساری توقعات لیے تھی تھی۔

”بہت دیر ہو گئی، میرا خیال ہے، ہمیں اب چلتا چاہیے مجھے لمحہ آفس جاتا ہے، آج کل کام کچھ زیادہ ہے۔“  
سالار کا پیانہ صبر برپہنچا گیا تھا۔

اس نے بڑے چل کے ساتھ سعیدہ اماں سے کہا اور پھر انہوں کو کھڑا ہو گیا۔ وہ اب امامہ کے کھڑے ہونے کا مذہر تھا لیکن امامہ نے بیبل پر رکھ کر برتلن اٹھا کر ٹرے میں رکھتے ہوئے اسے دیکھے بغیر بڑی سردمی کے ساتھ کہا۔ ”میں آج یہیں رہوں گی سعیدہ اماں کے سام۔“

سالار چند بحول کے لیے بالکل بھونپ کا رہ گیا۔ اس نے پچھلے کئی گھنٹوں میں ایک بار بھی ایسا کوئی ارادہ ظاہر نہیں کیا تھا کہ وہ سعیدہ اماں کے پاس رات گزارنے کا رادہ رکھتی ہے اور اب یک دم بیٹھے بٹھائیے ہیں۔  
اس بار سالار نے حلوے کی پلیٹ بیبل پر رکھ دی۔ وہ کم از کم امامہ کے لئے رشتے کی تفصیلات مزے سے حلوہ کھاتے ہوئے نہیں سن سکتا تھا۔ امامہ نے اس بار سعیدہ اماں کو روکنے کی گوش نہیں کی تھی۔ بڑی ہی عامیانہ بات تھی لیکن وہ بھی جیسے چاہتی تھی کہ کوئی سالار کو تائے کہ وہ ”قابل قدر“ ہے، وہ اسے صرف ”بیوی“

”بیویوں کے بڑے حقوق ہوتے ہیں۔“  
اپنی پلیٹ میں ڈالے حلوے کو جچ سے ہلاتے سالار لھٹھکا۔ اس نے ہمے سعیدہ اماں کو دیکھا پھر امامہ کو سمجھی تھی۔ اور سچھ گزرا ہی بھی۔ سالار کے پیٹھ پیچھے اس کی برائی اور اس کے کلے ٹکوئے کرنا اور بات واقعی تھی۔  
”وہ مژد و نیخ میں جاتے ہیں جو اپنی بیویوں کو تھک کرتے ہیں۔“ سعیدہ اماں نے اگلا جملہ بولا۔  
اس بار سالار فوری طور پر تائید کیں کر سکا۔ وہ خود مژد تھا اور شوہر بھی لاکھوں امامہ پر مرتا ہوا لیکن ”بیوی“ کی موجودگی میں اس بصرے کی تائید اپنے پاؤں پر کھلاڑی مارنے کے مصدق تھا۔ وہ شادی کے دوسرا ہی دن اتنی فرباں بہاری نہیں دکھا سکتا تھا جس پر وہ بعد میں ساری عمر پچھتا تھا۔

”وہ سرموں کے دل دکھانے والے کو اللہ کبھی معاف نہیں کرتا۔“ سالار نے حلوہ کھاتے کھاتے اس جملے پر غور کیا۔ پھر تائید میں سرہلا رہا۔  
”بھی بالکل۔“ سعیدہ اماں کو اس کی دھھائی پر غصہ آیا۔  
”شریف گھر نے کے مژدوں کا ونیو نہیں ہے کہ وہ سرموں کی بیٹھوں کو پہلے بیاہ کر لے جائیں اور پھر انہیں پہلی بیٹھے سنائے دیجھ جائیں۔“  
اس کی سعادت مندی نے سعیدہ اماں کو مزید تباہ رہا۔ میل سے کیا شریف لگ رہا ہے۔ اسی لیے تو سبط بھائی

”آپ کی چائے مٹھنڈی ہو رہی ہے اماں!“ اس نے صورت حال سنjalانے کی کوشش کی۔  
سالار نے باری باری ان رونوں کو دیکھا۔ اسے جملے کا سر پر پر سمجھے میں نہیں آیا تھا اور بھلے جملوں سے ان کا کیا تعلق تھا، وہ بھی سمجھ نہیں پایا لیکن تائید کرنے میں کوئی برا ہی نہیں تھی کیونکہ بات مناسب تھی۔  
”ٹھیک کہہ رہی ہیں آپ“ اس نے بالآخر کہا۔  
اس کی سعادت مندی نے سعیدہ اماں کو مزید تباہ رہا۔ میل سے کیا شریف لگ رہا ہے۔ اسی لیے تو سبط بھائی

”آمنہ کے لیے بہت رشتے تھے۔“ سعیدہ اماں نے سلسلہ کلام جوڑا۔  
”بھی وہو کا کھا گئے۔ انہوں نے ڈاکٹر سبط علی کو غلطی عرضے پر چھوٹ دی۔“

”یہ سامنے والے ظہور صاحب کے بڑے بیٹے نے آمنہ کو کمیں دیکھ لیا تھا۔ مال باب کو صاف صاف کہہ دیا اس نے کہا کہ شادی کروں گا تو اسی لڑکی سے۔ خالہ کی بیٹی کے ساتھ بچپن کی مقامی بھی توڑی۔“  
اس بار سالار نے حلوے کی پلیٹ بیبل پر رکھ دی۔ وہ کم از کم امامہ کے لئے رشتے کی تفصیلات مزے سے حلوہ کھاتے ہوئے نہیں سن سکتا تھا۔ امامہ نے اس بار سعیدہ اماں کو روکنے کی گوش نہیں کی تھی۔ بڑی ہی عامیانہ بات تھی لیکن وہ بھی جیسے چاہتی تھی کہ کوئی سالار کو تائے کہ وہ ”قابل قدر“ ہے، وہ اسے صرف ”بیوی“

نیکت مسجح میں اس کے لیے ایک ری لڈ کارڈ کا نمبر تھا اور اس کے پیچے وہ لفظ "گذشتہ سوئیشہارت" اس سے پہلے کہ سالار کچھ اور کہتا، وہ ایک جھماکے کے ساتھ کرے سے نکل گئی۔ سعیدہ امال نے بے حد تر آگوں نظروں سے اسے دیکھا، سالار نے جیسے امام کے ہر ازام کی تقدیق کر دی تھی۔ سالار کو امامہ کے یوں جانے کی وجہ سمجھ میں آئی، نہ سعیدہ امال کی ان ملائمی نظروں کا مفہوم سمجھ سکا۔ وہ گفتگو جتنی اپ سیٹ کرنے والی تھی اتنا ہی امامہ کا یک دم کیا جانے والا یہ اعلان تھا کہ وہ آج وہیں رہے گی۔ اسے برائنا تھا لیکن اتنا برا نہیں تھا کہ وہ اس پر اعتراض بیٹھلی کا اظہار کرتا اور وہ بھی سعیدہ امال کے سامنے۔

"اوکے میں چلتا ہوں پھر۔" وہ سعیدہ امال کے ساتھ باہر صحن میں نکل آیا۔ اس کا خیال تھا امامہ کچھ میں برتن رکھ کر اسے خدا حافظ کرنے تو ضرور آئے گی لیکن وہ نہیں آئی تھی اس سے کام میں ہمارا بھی کچھ حصہ ہے یا نہیں۔" سکندر نے ابتدائی سلام و وفا کے ساتھ چھوٹتے ہی اس سے کہا۔ "وہ آج اپنے میکے میں ہے۔" سالار نے کچھ سوچ کر کہا۔ وہ ابھی پھر دیر پہلے ہی سعیدہ امال کے گھر سے واپس آیا تھا۔

"توب خوردار! تم بھی اپنے سرال میں ہی تھرے تھم منہ اخا کراپنے اپارٹمنٹ کیوں آگئے؟" سکندر نے اسے دیکھا۔

"میں یا سب ہیں؟" اس نے موضوع بدلا۔

"ہاں کیوں، بات کمل ہے؟"

"میں فی الحال تو آپ سی سے بات کرنی ہے۔ بلکہ کچھ زیادہ سریوس بات کمل ہے۔" سکندر ریکارڈ میڈیم ہے ہو کر پہنچ گئے۔ "یہ سالار سکندر تھا، وہ اگر سریلوں کہہ رہا تھا تو ایقیناً" بہت سریلوں تھی۔

"کیا ہاتھ ہے؟" اصل میں آمنہ کے بارے میں آپ کو کچھ بتانا ہے۔" سکندر الجھ کے۔ وہ آمنہ کے بارے میں اُنہیں نکاح کے بعد تھا ہی چکا تھا۔ وہ اکثر سبط علی کی بیٹی جس کے ساتھ اس نے اپنی کچھ ذاتی دہوہات کی رہا پر اسہر جنسی میں نکاح کیا تھا۔ سکندر عثمان وہ اکثر سبط علی کو جانتے تھے اور سالار کے توسط سے وہ تین بار ان سے مل بھی جکے تھے۔ وہ وہ اکثر سبط علی کی بیٹی کے بجائے کسی بھی لوگ کے سے اس طرح اچانک ان لوگوں کو مطلع کے بغیر نکاح کرتا تھا جسی اُنہیں اعتراض نہ ہوتا۔ وہ اور ان کی بیٹل کچھ اتنی ہی بدل بھی پہچلی رات ایک جھماکے کے ساتھ اسے یاد آئی تھی۔

"نہیں۔ رہنے دیں۔" وہ بھرائی ہوئی توہین میں کہتے ہوئے لیٹ گئی۔

سعیدہ امال دروانہ مذکور کے چلی گئی۔ کمرے کی خاموشی نے اسے سلوٹ سکتا ہے۔ یہی تو چاہتا تھا وہ۔ "وہ پھر سے رنجیدہ ہوئے گی اور شب ہی اس کا سیل فون بختنے لگا۔ امامہ کے خون کی گردش پل بھر کے لیے تیز ہوئی، وہ اسے ہلاک کر رہا تھا۔ اس نے بے حد ذہنی کے عالم میں فون بیٹ سائیڈ نیبل پر پھینک دیا۔

وہ اسے ساتھ لے کر نہیں کیا اور اب اسے ایس کی یاد آرہی تھی۔ اس کی رنجیدگی، فسے میں بدل رہی تھی۔ وہ اس طرح کیوں کر رہی تھی کہ راتی کا پیارہ نارہ تھی۔

"کیا سن لے امداد؟" انہوں نے جیسے تصدیق چاہی۔

سالار نے گلاصاف کیا۔ بات کیسے شروع کرے، سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔

"آمنہ اصل میں امامہ ہے۔" تہمید اس نے زندگی میں بھی نہیں ہاندھی تھی، پھر اب کیسے باندھتا۔ وہ سری طرف یک دم خاموشی چھاگئی۔ سکندر کو لگا، اُنہیں سننے میں کچھ غلط بھی ہوئی ہے۔

"کیا سن لے امداد؟" انہوں نے جیسے اپنا بھرپور کیا اور اس بجزے لے بھی اسے ایم تھری۔ میں نوورنگ ہو گئی ہوں یا وہ مجھے جان بوجھ کر بڑی طرح انکو کر رہا ہے۔ یہ جتنا چاہتا ہے کہ میں اس کے لیے کوئی اہمیت نہیں رکھتی۔ اس کے دوست اس کا آفس، اس کی قیلی۔ بس یہ اہم ہیں اس کے لیے۔ دوبارہ کال نہیں آئی، چند سینڈ کے بعد اس کا میسج گیا تھا۔

اسے یقین تھا کہ وہ یقیناً "اس سے کے گا کہ وہ اسے میں کر رہا تھا۔

اس سے پہلے کہ سالار کچھ اور کہتا، وہ ایک جھماکے کے ساتھ کرے سے نکل گئی۔ سعیدہ امال نے بے حد تر سعیدہ امال سے اسے دیکھا، سالار نے جیسے امامہ کے ہر ازام کی تقدیق کر دی تھی۔ سالار کو امامہ کے یوں جانے کی وجہ سمجھ میں آئی، نہ سعیدہ امال کی ان ملائمی نظروں کا مفہوم سمجھ سکا۔ وہ گفتگو جتنی اپ سیٹ کرنے والی تھی اتنا ہی امامہ کا یک دم کیا جانے والا یہ اعلان تھا کہ وہ آج وہیں رہے گی۔ اسے برائنا تھا لیکن اتنا برا نہیں تھا کہ وہ اس پر اعتراض بیٹھلی کا اظہار کرتا اور وہ بھی سعیدہ امال کے سامنے۔

"اوکے میں چلتا ہوں پھر۔" وہ سعیدہ امال کے ساتھ باہر صحن میں نکل آیا۔

سعیدہ امال کے گھر سے نکلتے ہوئے اس نے پہلی بار اس محلے میں ان کے سامنے والے گھر کو سر اٹھا کر دیکھا تھا۔ وہاں سے اپنے واپس آنے سے کھل رہا تھا۔ یہ اتنے سال اس کے بغیر ہی رہا تھا۔ اسے بھی تھانی نہیں چھپی تھی۔ اس نے ایک رات اس کے ساتھ گزاری تھی اور تھانی کا مفہوم اس کی بھی میں آگیا تھا۔ وہاں سے واپسی کی ڈرائیور اس کی زندگی کی سب سے طویل ڈرائیور تھی۔

"کل بھائی صاحب کے ہاں چلیں گے۔ انہیں تائیں گے یہ سب کچھ۔ وہی بات کریں گے سالار سے۔" سعیدہ امال اس کے پاس بیٹھی کہہ رہی تھیں۔ وہ بے حد پریشان تھیں۔ امامہ نے ان کی بات کی تائید کی نہ تردد۔ اب اس کا حل کچھ بھی کرنے کو نہیں جاہرا تھا۔ اس اپنے بیڈ پر کمل اور چھپ چاپ بیٹھی سعیدہ امال کی باتیں سنتی رہی۔

"اچھا، چلوا ب سو جاؤ بینا! صبح سحر کے لیے بھی امتحنا ہو گا۔" سعیدہ امال کو اچانک خیال آیا۔ بیڈ سے اٹھ کر کرے سے نکلتے ہوئے انہوں نے پوچھا۔

"لائٹ آف کروں؟" اسے ساتھ اسے یاد آئی تھی۔

"نہیں۔ رہنے دیں۔" وہ بھرائی ہوئی توہین میں کہتے ہوئے لیٹ گئی۔

سعیدہ امال دروانہ مذکور کے چلی گئی۔ کمرے کی خاموشی نے اسے سلوٹ سکتا ہے۔ یہی تو چاہتا تھا وہ۔

اس نے جیسے اپنا بھرپور کیا اور اس بجزے لے بھی اسے ایم تھری۔ میں نوورنگ ہو گئی ہوں یا وہ مجھے جان بوجھ کر بڑی طرح انکو کر رہا ہے۔ یہ جتنا چاہتا ہے کہ میں اس کے لیے کوئی اہمیت نہیں رکھتی۔ اس کے دوست اس کا آفس، اس کی قیلی۔ بس یہ اہم ہیں اس کے لیے۔ دوبارہ کال نہیں آئی، چند سینڈ کے بعد اس کا میسج گیا تھا۔

سکندر عثمان نے رکتی ہوئی سانس کے ساتھ برابر کے بیڈ پر بیٹھی ہوئی کوئی کھا جو اشارہ پر کوئی ناک شور کھینچنے میں مصروف تھی اور یہ اچھا ہی تھا۔

وہ اسی طرح رکتی ہوئی سانس کے ساتھ، ننگے پاؤں اپنے بستر سے اتر کر بیڈ روم کا دروازہ کھول کر بے حد عجلت کے عالم میں باہر نکل گئے طبیب نے کچھ چرت سے انہیں اس طرح اچانک جاتے دیکھا۔

"ایک ڈان باب پیٹے کا روانس ہی ختم نہیں ہوتا" اب دوختن کا ر آئیں گے" طبیب نے قدرے خفی سے سوچا اور دیوار پر وی کی طرف متوجہ ہو گئیں۔

باہر لاؤنچ میں سکندر عثمان کے چورہ طبق روشن ہو رہے تھے۔ وہ انہی چند سخنے پہلے ہی طبیب کے ساتھ اپنے آخری اولاد کے "سیٹل" ہو جانے پر خوشی اور اطمینان کا اکھمار کرتے ہوئے اس کا ولیمہ پلان کر رہے تھے اور انہیں وقت طور پر یہ بھول گیا تھا کہ وہ آخری اولاد "سالار سکندر" تھا۔

وہ ٹھنٹے تک لاؤنچ میں اس کے ساتھ طویل گفت و شتید کے بعد وہ جب بالآخر واپس بیڈ روم میں آئے تو طبیب سوچی تھیں لیکن سکندر عثمان کی نیند اور اطمینان دلوں رخصت ہو چکے تھے

\* \* \*

سکندر عثمان اس سے ناراض نہیں ہوئے تھے لیکن وہ ان تمام خدشات کو سمجھ سکتا تھا جو یہ دن کے ذہن میں جاگ اٹھتے تھے۔ اتنے سال سے باشم مین کی فیکی کے ساتھ ان کے تمام تعلقات مکمل طور پر منقطع تھے لیکن اس کے باوجود سب کچھ پر سکون تھا۔ امامہ کی اس فوری گشادگی کے بعد شروع کے چند میں وہ انہیں نک کرتے رہے تھے لیکن جوں جوں انہیں یقین ہوتا گیا کہ سکندر عثمان اور سالار کا والی امامہ کے ساتھ کوئی رابطہ نہیں ہے تو ساری گرو جیسے آہستہ بیٹھتی تھی۔ اس کے باوجود اس نہیں کو اب بھی یقین تھا کہ رابطہ نہ ہوئے کہاں جو دامامہ کو ہمگانے میں سالار کا کسی نہ کسی طرح یا تھوڑا ضرور تھا، مگر یہ بات کو مشکل تھا اور اب لو سال بعد یک دم جیسے "ثبوت" سامنے آیا تھا۔ اس کے نتیجے میں باشم مین اور اس کی فیکی کیا طوفان انٹھاتی اس کے پارے میں سکندر کو کوئی خوش فہمی نہیں تھی۔ وہ اگر پریشان تھے تو سالار ان کی پریشانی سمجھ سکتا تھا۔

ان سے بات کرنے کے بعد وہ سونے کے لیے بیڈ پر آکر لیٹ گیا اور اس وقت اسے ایک بار پھر امامہ یاد آئی۔

اس نے گروں موڑ کر اس خالی بستر اور تیکے کو دیکھا۔ اسے پہلی رات اس تکیے پر بکھری زلفیں یاد آئیں۔ چند لمحوں کے لیے اسے پول لگانچیسے دلوہیں تھیں۔ اس تکیے سے اسی کے کندھے اور اس کے کندھے سے اس کے نیٹے تک آتی ہوئی وہ سیاہ رنگی زلفیں ایک بار پھر اس سے لٹکنے لگی تھیں۔ اس نے لائٹ آف کرنے کی کوشش نہیں کی۔ وہ پہلی رات نہیں تھی کہ اسے تاریکی میں بھی نیند آجائی۔

\* \* \*

وہ ساری رات نہیں سوئی۔ غصہ، رنج، السوس اور آنسو۔ وہ ایک کینیت سے نکلتی، دوسرا میں داخل ہوتی رہی۔

حرمی کے وقت بھی اس کا اسی بستر سے نکل کر سعیدہ امام کا سامنا کرنے کو نہیں چاہ رہا تھا۔ وہ انہیں اپنی اتری ہوئی شکل دکھانا نہیں چاہتی تھی لیکن مجبوری تھی۔ سعیدہ امام اسے مجبور نہ کر تھی تو وہ حرمی کھانے بغیر رونہ رکھتی۔ واہس کمرے میں آئے پر اس نے ایک بار پھر اپنے سیل پر سالار کی مسند کاں دیکھی۔ اس نے سیل آف کیا اور کبل لپیٹ کر سوئی۔

سالار نے دس بجے کے قریب آفس سے اسے کال کی سیل آف تھا۔ گیارہ بجے کال کرنے پر ایک بار پھر سیل۔

آفلات اس پارس نے سعیدہ امام کی لیٹڈ لائن پر کال فی۔  
"امامہ سورہ ہی ہے۔ انہوں نے چھوٹتے ہی سرو مری سے اسے اطلاع دی۔"  
"اچھا جس وہ اٹھے تو آپ اس سے کہیں کہ مجھے کال کر لے۔" اس نے پیغام دیا۔  
"ویکھوں گی۔ اگر اس کے اس فرستہ ہوں گی تو کر لے گی۔"  
سعیدہ امام نے یہ کہہ کر کھٹک سے فون بند کر دیا۔ وہ سیل ہاتھ میں پکڑے رہ گیا۔ اگلے پانچ منٹ وہ اسی پوزیشن میں بیٹھا سعیدہ امام کے جواب پر غور کر تارہ۔  
امامہ کو اس کا پیغام مل گیا تھا اور سعیدہ امام نے سالار کو دیا جائے والا جواب بھی اسے نادیا سدھ خاموش رہی۔  
"اچھے بھائی صاحب کی طرف چلیں گے۔" سعیدہ امام نے اسے حسپہ کیہ کر کھا۔  
"اچھے دین سالار کے کھروائے آرہے ہیں۔ بعد میں پات کر لیں گے۔" امامہ نے سعیدہ امام سے کہا۔  
سالار نے ڈریٹھ بجھ کے قریب فون کیا اور اس پر گیا آواز سننے کی۔  
"ستھنک گاڑا! تم ساری آواز تو سننا صیب ہوا تھی۔" لہ جواباً خاموش رہی۔  
"واکثر صاحب کا ذرا سیور پہنچنے ہی والا ہو گا، تم تیار ہو جاؤ۔" سالار نے اس کی خاموشی دوں کیے بغیر اسے اطلاع دی۔

"وہر کے لیے کیا بناتا ہے؟" اس نے جواباً کہا۔

"کون ساڑھا؟"  
"تم سارے پیریں کھانا نہیں کھائیں گے کیا؟"  
"نہیں ہوڑ فرقان کے گھر پر ہے۔"

"میں ڈرخود پیار کر لوں گی۔" اس نے اس اطلاع پر ووٹ اندائز کیا۔  
"وہ ڈرخود ہم دونوں کے لیے نہیں بلکہ میں نیا اور انتیا کے لیے کر رہا ہے۔" وہ کچھ خلیف سی ہو گئی۔  
"لیکن سحری کے لیے تو کچھ نہ کچھ کرنا ہی ہو گا۔"

"میری فیکی میں روزے وغیرہ کوئی نہیں رکھتا، لیکن پوچھ لوں گا اور کر لیں گے کچھ نہ کچھ۔ فرتع میں بہت کچھ ہے۔ تم اس جھجھٹ میں نہ رہو۔"

"اپیلو! سالار نے جیسے لائی پر اس کی موجودگی کو جیک کیا۔  
"میں سن رہی ہوں۔" اس نے جواباً کہا۔

"امامہ! تم اور سعیدہ امام کل رات کو روکیوں رہی تھیں۔"  
سالار نے بالآخرہ سوال کیا جو پہلی رات سے اسے نکل کر رہا تھا۔

"ایسے ہی۔" وہ کچھ درپر کے لیے جواب نہیں دے سکی۔  
"اور سعیدہ امام کا مودہ بھی کچھ آٹھ تھا؟"

"پہنچنے سے تم پوچھ لیتے۔" اس نے اب بھی اسی اندائز سے کہا۔

"میں پوچھنا چاہتا تھا مگر مجھے لگا کہ ابھی مناسب نہیں۔" سالار نے کہا امامہ جواباً خاموش رہی۔  
"چلو تم اب تیار ہو جاؤ۔" کھر پیچ جاؤ تو مجھے نیکست میسح کرنا۔ اگر میں فری ہو تو تمہیں کال کرلوں گا۔" امامہ نے جواباً خدا حافظ کہہ کر فون بند کر دیا۔ اس کاٹل چاہتا تھا اس سے کہے "ضورت نہیں۔"

\* \* \*

وہ تقریباً اڑھائی بجے واکثر صاحب کے ذرا سیور کے ساتھ اس کے پارٹمنٹ پر پہنچی تھی اور اس نے آئئی

موسم میں اس بیٹ کی دوبار موجودگی کا مقصد اسے سمجھ میں نہیں آیا۔ بالکل کوئی کی منذر کے قریب ایک اسٹول پر ہوا تھا۔ وہ یقیناً ”وہاں آکر بیٹھتا تھا۔ پنج دیکھنے کے لیے۔ منذر پر مک کے چند نشان تھے جائے یا کافی پیتا ہے یہاں پیٹھ کر۔ مگر کس وقت۔ یقیناً رات کو اس نے سوچا اور آگے پڑھ کر پنج جھانکاہہ تیری مثل تھی اور پنج بلڈنگ کالاں اور پارکنگ تھے۔ کچھ فاصلے پر کپڑا ڈسے باہر سڑک بھی نظر آرہی تھی۔ وہ ایک پوش ایریا تھا اور سڑک پر ریکڑ زیادہ تھیں تھیں تو وہ اپس اندر آگئی۔

وہ کپڑے تبدیل کر کے ابھی اپنے بال بناہی رہی تھی جب اسے ڈورنیل کی آواز سنائی دی۔ فوری طور پر اسے نو شین ہی کا خیال آیا تھا۔

لیکن دروازے پر ایک ریشورٹ کا ڈیلوئری بوائے چند بکٹس لیے کرنا تھا۔

”میں نے آرڈر نہیں کیا۔“ اسے لگا شاید وہ کسی غلط پارمنٹ میں آگیا ہے۔

اس نے جواباً ”سالار سکندر کام ایڈریس کے ساتھ دہرا لے۔ چند بخون کے لیے وہ جب سی ہو گئی تھے کہ از کم اتنا لارپوا ہیں تھا اس کے بارے میں کہ اس کے افظار کے لیے کچھ انتظام کرنا بھول جانا۔ وہ سوچ رہی تھی کہ وہ اپنے بیٹر میں کو لینے کے لیے آفس سے نکل چکا ہو گا اور ایسا پورٹ پختے کی بھاگ دوڑ میں اسے شاید وہ باد بھی نہیں ہو گی۔

پھر میں ان بکٹس کو رکھتے ہوئے اس کا غصہ اور رنجیدگی کچھ کم ہوئی اور یہ شاید اسی کا ہی اثر تھا کہ اس نے کال کر کے سالار کو مطلع کرنا اور اس کا شکریہ ادا کرنا ضروری سمجھا۔ وہ اس وقت ایسا پورٹ کی طرف جا رہا تھا۔ اس نے فوراً ”کال ریسیو کی تھی۔“

امامہ نے اسے گھانے کے بارے میں بتایا۔

”میں رات کا گھانا اکٹھاں ریشورٹ سے منگوا تاہوں۔ کھانا اجھا ہوتا ہے ان کا۔“ اس نے جواباً ”بڑے سعول کے انداز میں کما۔“ میں نے سوچا، میں جب تک ان لوگوں کو لے کر گمراں کا تم تک بھوکی پیٹھی رہو گی۔ اس کا خراب مودہ کچھ اور اپنے ہو۔ ابھی اور کیا کیا پاتا چلا تھا اس کے بارے میں۔

اس نے جگن کے کہننس کھول کر دیکھے اور بند کر دیے۔ اسے اندازہ ہو گیا تھا کہ اس پھن میں فرتیج کے علاوہ صرف کافی کہننس اور برتوں کے ریکس کے علاوہ کیسی کچھ نہیں۔ وہ پھن صرف ناشتہ اور سینہ و جا لے میلا تھا۔ علاوہ صرف چاۓ یا کافی کے لیے استعمال ہوتا تھا۔ وہاں اسے چند فرانک ہیں ڈسکنٹ کی تھی کے پکانے کے برتن نظر نہیں آئے۔ پھن میں موجود کراؤ کری بھی آیکن ڈسیٹ اور چند اڑاکل سیٹس پر مستقل تھی یا اس کے علاوہ پچھو مگر تھے یا پھر ریک فاست سیٹ۔ یقیناً ”اس کے گھر آئے والے افراد کی تعداد بھی زیادہ ہیں تھی۔ وہ پھن سے لکل آئی۔

وہ تقریباً سوانح کے قریب آیا اور ڈورنیل کی آواز پر وہ بے اختیار نہیں ہو گئی تھی۔ نہ چاہتے ہوئے بھی وہ سالار کی فیکنی کے رو غسل سے خائف تھی۔ ایک ہمارے کے طور پر بھی رونوں فیملیز کے درمیان بے حد رہی تعلقات تھے اور بعد میں ہونے والے واقعات نے تو یہ فارسیلٹی بھی خشم کر دی تھی۔ اسے کئی سال پہلے سکندر عثمان سے فون ہونے والی گفتگو یاد تھی اور شاید اس کے خذشت کی وجہ بھی وہی کال تھی۔

بیرونی دروازہ مکھوتے ہوئے اسے احساس ہوا کہ اس کے ہاتھ بھی کاٹ پڑے تھے۔

سکندر عثمان سیست میں افراد اس سے بڑی گرم جوشی کے ساتھ ملے تھے وہ ان کے روپوں میں جس روکے ہیں اور خفگی کو ڈھونڈ رہی تھی وہ فوری طور پر اسے نظر نہیں آئی۔ امامہ کی نہیں نہیں میں کچھ کی آئی۔

فرقان کے گھر نزد کے دروازے اس کی یہ نہیں اور بھی کم ہوئی۔

انیتا اور طیبہ دوں بڑے دوستانہ انداز میں نو شین اور اس سے باقی کرتی رہیں۔ نو شین اور فرقان سالار کے والدین سے پہلے بھی مل چکے تھے لیکن نو شین انیتا سے پہلی بار مل رہی تھی اور دوں کا موضوع گفتگو ان کے پچے

سب سے ملے دوں بڑے رومزنیک کی تھے۔ بیڈ رومنیا پا تھر رومنیں پا جو رکھنے کی ضرورت پیش نہیں آئی۔ سالار آئش جانے سے پہلے یقیناً ”ہر کام خود ہی کر کے گیا تھا۔“ اس نے ایک بار پھر اپنے خود کو ”بے مصرف“ محسوس کیا۔

ایک بیڈ رومن شاید پہلے ہی گیست روم کے طور پر استعمال ہو رہا تھا جبکہ دسرے بیڈ رومن وہ اسٹڈی کے طور پر بھی استعمال کر رہا تھا۔ وہاں ایک ریک پر کتابوں کے ذمہ رکے علاوہ اسی طرح کے ریکس پر بھی ذمہ اور ذمہ وہی ذمہ کے انبار بھی نظر آئے سنگ روم میں موجود ریکس پر بھی ذمہ اور ذمہ لیکن ان کی تعداد اس کمرے کی نسبت بہت کم تھی۔ کمرے میں کچھ میوزیکل اسٹریڈ منش بھی پڑے ہوئے تھے اور ایک اسٹڈی نیشنل برجس ایک ڈیکٹ ناپ تھا۔ وہ اسٹڈی نیشنل اس کمرے کی بڑی واحد چیز تھی جس پر پڑے کاغذ، فاگٹز اور ٹیک آرٹیکلز اور

اسے بے ترتیب نظر آئے وہ اسٹڈی سے پہلے اسے ٹھیک کرنا بھول گیا تھا یا شاید اس کے پاس وقت نہیں تھا۔ ایک لمحے کے لیے اسے خیال آیا کہ وہ ان پیپرز کو ٹھیک کروے۔ اگلے ہی لمحے اس نے اس خیال کو اپنے ذمہ سے جھکنکر دیا۔ اسے خدشہ تھا وہ یہ کام سالار جیسی پرفیکشن کے ساتھ نہیں کر سکتی تھی اور اگر کوئی پیپر اور ہزادہ ہو گیا تو۔؟

وہ روانہ بند کر کے باہر نکل آئی۔ فرتیج اور فریز میں واقعی کھانے کا بست سامان تھا اور اس کو یقین تھا کہ ان پیسے نوے پرست اشیاء فرقان اور نو شین کی مزبون منت تھیں۔ جو جنیس سالار کی اپنی خریداری کا نتیجہ دیکھیں ان میں پھلوں کے علاوہ ذر تکس اور ذر شکل فوڈ آنٹیڈر کی ایک محدود تعداد تھی۔ اس نے چند نہیں نکال کر امامہ کو گھانے میں صرف ایک چیز پاپنڈ تھی۔ سی فوڈ۔ روزے کی وجہ سے اس کا ماحصلہ خالی نہ ہوتا تو ان ٹریوں پر سے ہے ہوئے کریبز اور پر انزدیکی کر اسے وہ میٹنگ شرمن ہو جاتی۔ اس نے بڑی بایوی کے عالم میں ان لندز کو واپس فرتیج میں رکھ دیا۔ یقیناً وہ ذیکور شدن کے مقصد سے خرید کر نہیں رکھے گئے تھے۔ وہ خرید کر لاتا تھا تو یقیناً ”کھاتا ہی ہو گا۔“ اس کا خراب مودہ کچھ اور اپنے ہو۔ ابھی اور کیا کیا پاتا چلا تھا اس کے بارے میں۔

اس نے جگن کے کہننس کھول کر دیکھے اور بند کر دیے۔ اسے اندازہ ہو گیا تھا کہ اس پھن میں فرتیج کے علاوہ صرف کافی کہننس اور برتوں کے ریکس کے علاوہ کیسی کچھ نہیں۔ وہ پھن صرف ناشتہ اور سینہ و جا لے میلا تھا۔ کے برتن نظر نہیں آئے۔ پھن میں موجود کراؤ کری بھی آیکن ڈسیٹ اور چند اڑاکل سیٹس پر مستقل تھی یا اس کے علاوہ پچھو مگر تھے یا پھر ریک فاست سیٹ۔ یقیناً ”اس کے گھر آئے والے افراد کی تعداد بھی زیادہ ہیں تھی۔ وہ پھن سے لکل آئی۔

اپارٹمنٹ کا واحد غیر دریافت شدہ حصہ بالکل تھا۔ وہ روانہ کھول کر باہر نکل آئی اور وہ پہلی جگہ تھی جہاں آتے ہی اس کا دل خوش ہوا تھا۔ جیچہ فٹ چوڑی اور پارہ فٹ لمبی وہ نیرس نہایا بالکل کوئی کوئی نہیں گاہیں کھانا زیادہ مناسب تھا۔ مختلف شکل کلوں اور سائزز کے گلوبوں میں مختلف قسم کے پوچے اور بیلیں لگی ہوئی تھیں اور شدید سرد موسم میں بھی ان کی حالت بتارہی تھی کہ ان رخاصلی محنت اور وقت لگایا گیا تھا۔ وہاں آسیاں کی بالکل نہیں سے بھی ایسے سبز رنگ کے پوچے اور بیلیں جھانٹتی نظر آرہی تھیں لیکن یقیناً ”سالار کی بالکل کی حالت سب سے بہتر تھی۔“

لاؤنچ کی قد آدم کھر کیاں بھی اسی بالکل میں تھیں اور بالکل میں ان کھر کیوں کے پاس دیوار کے ساتھ زین پر ایک میٹ موجود تھا۔ وہ شاید یہاں آکر بیٹھتا ہو گایا دھوپ میں لیٹتا ہو گا۔ شاید ویک اپنڈری۔ ورنہ سروی کے

تھے۔ وہ بے حد پر سکون انداز میں ایک خاموش سامع کی طرح ان لوگوں کی باتیں سنتی رہی۔ وہ نہیں چاہتی تھی کہ فرقان کے گھر میں اس کی شادی یا اس کی ذات موضوع گفتگو بنے۔ اپنے اپارٹمنٹ میں واپسی کے بعد پہلی بار سکندر اور طیبہ نے سنگروم میں بیٹھے، اس سے باتیں کی اور تب امامہ نے ان کے لجھے میں چھپی اس تشیش کو محسوس کیا جو امامہ کی قیمتی کے متوقع رد عمل سے انہیں تھی۔ اس کا اختکا ایک بار پھر غائب ہو گیا۔ اگرچہ انہوں نے کھلے عامِ الحمد کے سامنے ہاشم مبین یا ان کے خاندان کے حوالے سے کوئی بات نہیں کی تیکن وہ لوگ اب ولیدہ کا لفظ اسلام آباد کے بجائے لاہور میں منعقد کرنا چاہتے تھے۔ سالار کی رائے سننا چاہتی تھی تیکن وہ گفتگو کے دوران خاموش رہا۔ جب گفتگو کے درد ان خاموشی کے وقوف کی تعداد بڑھنے لگی تو یک دم امامہ کو احساس ہوا کہ گفتگو میں آئے والی اس بے ربطی کی وجہ تھی۔ وہ چاروں اس کی وجہ سے کھل کر بات نہیں کپاڑے تھے۔

”بالکل، میرا! تم سوچاؤ، تمہیں سحری کے لیے انتہا ہو گا۔ ہم لوگ تو ابھی کچھ دیر بیٹھیں گے۔“  
اس کے نیند آنے کے بہانے پر سکندر عثمان نے فوراً کہا۔

وہ اٹھو کر کمرے میں آگئی۔ نیند آنا بہت مشکل تھی۔ دو دن پہلے جن خدشات کے بارے میں اس نے سوچا بھی نہیں تھا، اب وہ ان کے بارے میں سوچنے لگی تھی۔ اسے اندانہ تھا کہ سکندر عثمان ان رونوں کی شادی کو خفیہ ہی رکھنا چاہتے ہیں تاکہ اس کی قیمتی کو اس کے بارے میں پہنچا۔

وہ بہت دیر تک اپنے بیڈ پر بیٹھی۔ ان خدشات اور خطرات کے بارے میں سوچتی رہی جو انہیں محسوس ہو رہے تھے۔ اس وقت وہاں اپنے بیٹھے پہلی بار اس نے سوچا کہ اس سے شادی کر کے سالار نے کتنا بڑا خطرو مول لیا تھا۔ جو بھی اس سے شادی کرتا وہ کسی نہ کسی حد تک خود کو غیر محفوظ ضرور کر لتا تھا لیکن سالار سکندر کی صورت میں صورت حال اس لیے زیادہ خراب ہوتی کیونکہ اس کے ساتھ اس کے اس رشتے کا انکشاف ہونے کے چансز زیاد تھے۔

وہ زیادہ سے زیادہ کیا کر سکتے تھے۔ اس نے سوچا۔ مجھے یا سالار کو جان سے تو کبھی نہیں ماریں گے۔ اسے اب بھی اندازہ اختیار تھا کہ کہیں نہ کہیں اس کی قیمتی اتنا لحاظ ضرور کرے گی۔ زیادہ سے زیادہ یہی ہو گا کہ وہ مجھے زردستی اپنے ساتھ لے جانے کی کوشش کریں گے اور پھر سالار سے طلاق لو اکر کہیں اور شادی کرنا چاہیں گے۔ اس کے اضطراب میں یک دم مزید اضافہ ہوا۔ سب کچھ شاید اتنا سیدھا نہیں تھا جتنا وہ سمجھ رہی تھی یا مجھے کی کوشش کر رہی تھی۔ یہ اپنی مرضی سے کہیں شادی کرنے کا مسئلہ نہیں تھا، یہ نہ ہب میں تبدیلی کا معاملہ تھا۔ اسے اپنے بیٹت میں گرہیں پڑتی محسوس ہوئیں، وہ واپس بیڈ پر آکر بیٹھ گئی۔ اس وقت پہلی بار سالار سے شادی کرنا اسے ایک نظری تھی۔ وہ ایک بار پھر اسی کھالی کے کنارے آکر گھری ہو گئی تھی جس سے وہ اتنے سالوں سے بھتی پھر رہی تھی۔



”اب کیا ہو گا؟“ طیبہ نے بستر پر لیٹتے ہوئے کہا۔

”اب ہونے کو رہ کیا گیا ہے؟“ سکندر عثمان نے جواباً کہا۔ وہ جانتے تھے طیبہ کا اشارہ کس طرف تھا۔  
”ہاشم مبین کو پہاڑلی گیا تو...؟“

رہا تھا اور نہ دسردی لئنے کی وجہ سے ضرور اٹھ جاتی۔

”جلدی آ جاؤ بس دیں مندرجہ گئے ہیں۔“

وہ اسے پانی کا گلاس تھا تھے ہوئے کمرے سے نکل گیا۔

منہ ماتھ دھونے کے بعد جس وہ سنگ اپریا میں آئی تو وہ محنت کرچا تھا اور چائے بنانے میں مصروف تھا۔ لا اونچ

یا کمکن میں اور کوئی نہیں تھا۔ سنگ تمیل پر اس کے لیے پہنچے ہی سے برتن کے ہوئے تھے

”میں چائے بناتی ہوں۔“ وہ محنت کرنے کے بجائے مک نکلنے لگی۔

”تم آرام سے سخنی کرو،“ بھی اذان ہو چائے گی۔ میں اپنے لیے چائے خود بنائے کرنا ہوں، بلکہ تمہارے لیے بھی

بنائے کرنا ہوں۔“ سالار نے مک اس کے ہاتھ سے لیتے ہوئے اسے واپس بھیجا۔

وہ کری ٹھینچ کر بیٹھ گئی۔

”یہ سب لوگ سور ہے ہیں؟“

”ہاں۔ ابھی تھوڑی دیر پہلے ہی سوئے ہیں۔ ساری رات تو باتیں کرتے رہے ہم لوگ اور شاید ہماری آدائل

کی وجہ سے تم ڈریب ہوئی رہیں۔“

”نہیں“ میں سو گئی تھی۔ اس کا الجھ بہت بچھا ہوا تھا۔ سالار نے محسوس کیا، وہ اسے بت اپ سیٹ گئی۔

”کیا کوئی زیادہ براخوبی دیکھا ہے؟“ طبیبہ خاموشی سے ان کی بات سن رہی تھیں۔ انہوں نے اعتراض کیا کہ وہ ملٹ نہیں کہہ رہے ہیں۔

”وہ چائے کے مک تمیل پر رکھتے ہوئے کری ٹھینچ کر اس کے سپاس بیٹھ گیا۔

”خواب ہے“ وہ چوکی۔ ”نہیں سے ایسے ہی۔“ وہ کھانا کھانے لگی۔

”صحبہ نماستا کتنے بچے کریں گے یہ لوگ۔“ اس نے بات بدلتے ہوئے پوچھا۔

وہ بے اختیار ہے۔

”یہ لوگ یہ کون سے لوگ ہے یہ تمہاری دوسری فیملی ہے اب۔“ میں پیا کہوا نہیں اور انیتا کو انتی۔“ وہ اس کی

بات پر بے اختیار شرمندہ ہوئی۔ وہ واقعی کل رات سے ان کے لیے ہی وہ لفظ استعمال کر رہی تھی۔

انشا شنا تو نہیں کریں گے۔ ابھی گھنٹہ ڈریٹھ گھنٹہ تک اٹھ جائیں گے۔ دس بجے کی فلاٹ ہے۔“ سالار نے

اس کی شرمندگی کو بھانٹنے ہوئے بات بدل دی۔

”میں چوبیے کی۔“ اتنی جلدی کیوں جا رہے ہیں؟“ وہ حیران ہو گئی۔

”صرف تم سے ملنے کے لیے آئے تھے یہ لوگ۔“ میا کی کوئی میٹنگ ہے آج چوبیے اور انیتا تو اپنے بھوں کو ملازمہ

جگارہ تھا۔

”میں ابھی نماز پڑھ کر آ جاؤں،“ پھر ان کے ساتھ ہی اس کے لیے تیار ہوں گا اور انہیں

ایم پورٹ چھوڑ کر پھر افس چلا جاؤں گا۔“ سالار نے جمالی روکتے ہوئے چائے کا خالی مک اٹھایا اور کھڑا ہو گیا۔ امامہ

نے کچھ جیرانی سے اسے دیکھا۔

”تم سووے کے نہیں؟“

”نہیں، شام کو آنس سے آنے کے بعد سووں گا۔“

”تم چھٹی لیتے؟“ امامہ نے روائی سے کہا۔

سنگ کی طرف جاتے ہوئے سالار نے پلٹ کر امامہ کو دیکھا اور پھر بے اختیار ہے۔ ”سوئے کے لیے افس سے

چھٹی لے لیتا؟ میرے پروفسن میں ایسا نہیں ہوتا۔“

”اسی لیے تو اس سے کہا ہے کہ امامہ کو دیں رکھے لا ہوئیں۔ اسلام آپلو نہیں لائے۔“ ویسے بھی پی اچھی ہی

اتارتے ہوئے کہا۔ وہ بھی سوئے کے لیے لٹنے والے تھے۔

طبیبہ کچھ دیر خاموش رہیں پھر انہوں نے کہا ”مجھے تو بڑی عامہ ہی لگی ہے امامہ۔“

”تمہارے بیٹھے سے بہتر ہے۔“ سکندر عثمان نے ترکیبہ ترکی کہا۔ طبیبہ کچھ ناراض ہو گئی۔

”کیوں۔“ سالار سے کس طرح بہتر ہے، وہ اس کا تو کوئی مقابلہ ہی نہیں ہے۔ آپ خود ایمان واری سے جاتا ہیں،

سکندر فرض پرے۔“

”اتقیٰ نہیں کس بات پر آرہی ہے آپ کو؟“ وہ چریں۔

سکندر روانی، بت خشکوار میوڈیں تھے۔

”میں واقعی بست خوش ہوں کیونکہ میرا بیٹھا بڑا خوش ہے۔“ اتنے سالوں بعد اس طرح باتیں کرتے دیکھا ہے

اسے میں نے زندگی میں بھی اس کے چہرے پر ایسی رونق نہیں دیکھی۔ امامہ کے ساتھ اس کی شادی ہو گئی ہے۔

میرے ہوندھوں سے بوجھا ترکیا ہے۔ اس کے سامنے کتنا شرمندہ رہتا تھا میں، تمہیں اندانہ بھی ہے۔“

طبیبہ خاموشی سے ان کی بات سن رہی تھیں۔ انہوں نے اعتراض کیا کہ وہ ملٹ نہیں کہہ رہے ہیں۔



نیند میں وہ اس کے ہاتھوں میں رسیاں باندھ کر اسے کھینچ رہے تھے۔ رسیاں اتنی بختی سے ہاندھ میں ہوئی تھیں کہ اس کی کلاسیوں سے خون رنے لگا تھا اور ان کے ہر جھٹکے کے ساتھ وہ درد کی شدت سے بے اختیار چلا۔ وہ کسی بازار میں لوگوں کی بھیڑ کے درمیان کسی قیدی کی طرح لے جائی جا رہی تھی۔ دونوں اطراف میں کھڑے ہوئے لوگ بلند آوازیں تھیں لگاتے ہوئے اس پر آوازے کسی رہے تھے۔ پھر ان لوگوں میں سے ایک مرد نے جو اس کی کلاسیوں میں بندھی رسیوں کو کھینچ رہا تھا۔ پوری قوت سے رہی کو جھٹکا دیا۔ وہ گھنٹوں کے میں اس پھریلے راستے پر کری۔

”کامس۔ امام۔ اس می۔ اٹھ جاؤ۔ سخنی ختم ہوئے میں تھوڑا سا وقت رہ گیا ہے۔“

وہ ہر براکراٹھی بہیڈ سایڈ سیبل لیپ آن کیا۔ سالار اس کے پاس کھڑا نہیں سے اس کا نندھا ہاہلاتے ہوئے اسے

”صوری میں نے شاید تمہیں ڈرایا۔“ سالار نے معدودت کی۔

وہ کچھ دیر تک خالی زہن کے ساتھ اس کا چھڑو دیکھتی رہی۔ وہ گزرے ہوئے سالوں میں ایسے خواب دیکھنے کی

عادی ہوئی تھی اور خوابوں کا یہ سلسلہ اب بھی ہیں نوٹا تھا۔

”کوئی خواب بد کر رہا ہی تھیں؟“

سالار نے جھک کر گود میں رکھے اس کے ہاتھ کو ہلاتے ہوئے پوچھا۔ اسے یوں لگا تھا وہ ابھی بھی نیند میں تھی۔

امامہ نے سربراہی اس وہاں نہیں نہیں تھی۔

”تم کمبل لیے بغیر سو گئیں؟“ سالار نے گلاس میں پانی انڈھتے ہوئے کہا۔ امامہ نے چونکہ کریڈ پرے کمبل

کو دیکھا۔ وہ واقعی اسی طرح پڑا تھا۔ یقیناً وہ بھی رات کو کمرے میں سونے کے لیے نہیں آیا تھا۔ کمرے کا یہی آن

"تم سوئے نہیں رات کو اس لیے کہہ رہی ہوں۔" وہ اس کی بات پر جھوٹنی تھی۔

"میں اڑتا لیں، اڑتا لیں لکھنے بغیر سوئے یو این کے لیے کام کرتا رہا ہوں۔ وہ بھی شدید گرمی اور سردی میں۔ ذری اسٹر اسٹریکن ایریا میں اور رات کو تو ماں، پاپ کے پاس بیٹھا پر فیکٹ کنٹل شنز میں باقی کرتا رہا ہوں،" تھکتا کیوں؟"

اذان ہو رہی تھی۔

"اپ پلیز مک مت دھونا مجھے ابھی اپنے برتن دھونے ہیں۔" امامہ نے چائے کا گل خالی کرتے ہوئے اسے روکا دھوئی۔ یہ اکال کروٹ باسکٹ میں چھکنے لگی تھی۔

"ٹھیک ہے۔ دھوئے۔"

سالار نے بڑی خوشی کے ساتھ گل سنک میں رکھا اور پلاٹیو کوڑے داں کاؤنٹر میں ہٹائے ہوئے فتح ہوتی رہکت کے ساتھ الی بیک ہاتھ میں بکڑے کی بستی کی طرح کھڑی تھی۔ سالار نے ایک نظر اسے دیکھا، پھر کوڑے داں کے اندر پڑی اس چیز کو جس نے اسے یوں شاکنڈ کر دیا تھا۔

"نان الکھول کڈرنک۔" وہ دھیم آواز میں کہتے ہوئے بھن سے ہاہر نکل گیا تھا۔

اس نے جنگ بعد میں پڑھا تھا، بیسر پسلے۔ اور یہ سالار سکندر کا گھر نہ ہوتا تو اس کا ذہن سلے نان الکھول ڈر نکس کی طرف جاتا تھا، مگر ہاں اس کا ذہن بے اختیار دوسری طرف گیا تھا۔ جبکہ کلی بیک چھکتے ہوئے اس نے

نان الکھول کے لفظ بھی کین پر دیکھ لیے تھے۔ پچھے درد ہیں کھڑی، اپنی دامت ختم کرنے کی کوشش کرتی رہی۔ پتا نہیں وہ کیا سوچ رہا ہوا گا میرے بارے میں اور سالار کو بھی واپسی کرنے کا تھا۔ دلوں اپنے درمیان اعتماد کا جو پل، نہیں کی کوشش کر رہے تھے، وہ بھی ایک طرف سے ٹوٹ رہا تھا، بھی دوسری طرف سے۔

اس نے آخری بار شراب آٹھ سال پسلے لی تھی، لیکن وہ انجی اور نان الکھول کڈر نکس تقریباً ہر رات کام کے دوران پڑھا تھا۔ امامہ کو ٹوٹ باسکٹ کے پاس شاکنڈ دیکھ کر اسے یہ جانے میں سکنڈز بھی نہیں لگے تھے کہ ویسٹ باسکٹ میں بڑی کونٹی چیز اس کے لیے شاکنک ہو سکتی ہے۔

وہ کار پورٹ سیٹر سے تعلق رکھتا تھا اور جن بارٹیز میں جاتا تھا، ہاں ڈر نکس نیل پر شراب بھی موجود ہوتی تھی اور ہر بار اس "مشروب" سے انکار پر کسی نے پھٹے آٹھ سال کے دوران شاید ایک بار بھی یہ نہیں سوچا ہو گا کہ وہ جھوٹ بول رہا ہے۔ گیونکہ ان میں سے کوئی بھی تو سال پسلے والے سالار سکندر سے واقف نہیں تھا۔ لیکن وہ ایک فرد ہو وون پسلے اس نے کے گھر میں آیا تھا، اس کے پاس سالار کی کسی بھی بات اور عمل پر شبہ کرنے کے لیے بڑی خوشیوں و جوہات موجود تھیں۔

"یہ سب تو ہو گا ہی۔" ایسی حرکتیں نہ کرتا تاب قابل اعتبار ہوتا۔ اب جبکہ ماضی کچھ اتنا صاف نہیں ہے تو اس پر اپنا اقتدار قائم کرنے میں کچھ وقت تو لگے گا ہی۔" بیرونی دروازے کی طرف جاتے ہوئے اس نے بڑی آسانی کے ساتھ سارا الزام اپنے سر لے کر امامہ کو ہری الدمہ قرار دے رہا تھا۔

"تمہارے پڑے پلیس کروں؟" اس نے بید روم میں آگر پوچھا۔ وہ ڈر نکس روم میں وارد رہ کھوئے اپنے کپڑے نکال رہا تھا۔

"نہیں، میرے کپڑے تو پلیس ہو کر آتے ہیں۔" ایک بیگنر نکالتے ہوئے وہ پلٹ کر مسکرا یا تھا۔

امامہ کو یک دم اپنے کالوں کے بندے یاد آئے۔ "تم نے میرے اپر ٹکڑے کیسی دیکھے ہیں میں نے واٹر روم میں رکھے تھے، وہاں نہیں ملے مجھے۔" "ہاں میں نے اٹھائے تھے، وہاں سے۔ اپر ٹکڑے بیبل پر ہیں۔" سالار دو قدم آگے بڑھا اور اپر ٹکڑا اٹھا کر امامہ کی طرف بڑھا دیے۔

"یہ پرانے ہو گئے ہیں۔ تم آج میرے ساتھ چنانی میں جھیس نئے لے دوں گا۔" "وہ اپر ٹکڑے کالوں میں پہنچتے ہوئے تھکلی۔" "یہ میرے ابو نے دیے ہیں جب تھے میڈیکل میں ایڈیشن ملا تھا۔ میرے لیے پرانے نہیں ہیں۔ جھیس ضرورت نہیں ہے اپنے پیسے ضائع کرنے کی۔"

اس کا رد عمل رکھنے کے لیے امامہ نے پٹ کروکیٹ کی زحمت تک نہیں کی۔ وہ بید روم کا وزوانہ کھول کر بہر چلی گئی تھی۔ وہ اکلے پچھے پکنڈ زد ہیں کھڑا رہا۔ وہ محبت سے کی ہوئی آفر تھی، جسے وہ اس کے منہ پر مار کر گئی تھی۔ کم از کم سالار نے یہی حسوں کیا تھا۔ اسے یہ احساس نہیں ہوا تھا کہ محبت سے کی جانے والی اس آفر کو اس پرے ضرورت پوری کرنے والی حیثیت بنا رہا تھا۔ وہ مرتخا، ضرورت اور محبت میں فرق نہیں کپتا تھا۔ وہ حورت تھی سے نہیں دیکھ سکتا تھا، جہاں وہ کھڑا تھا، اس کے پار جو داں کوہاں کوہاں کھڑا تھا۔



ڈاکٹر سبھ علی کو اس دن صبح ہی سعیدہ اماں سے طویل گفتگو کرنے کا موقع مل گیا تھا۔ وہ دو ماہی میں دن بعد ان کی خوبیت دریافت کرنے کے لیے فون کیا گر تھے اور آج بھی انہوں نے سعیدہ اماں کی طبیعت پوچھنے کے لیے ہی فون کیا تھا۔ وہ ان کی آواز سنتے ہی پھٹ پڑی تھیں۔ ڈاکٹر سبھ علی یہ بیکنی سے ان کی یا تھیں سنتے رہے۔ انہیں سعیدہ اماں کی کوئی بھی بات سمجھ میں نہیں آ رہی تھی۔ "آمنہ نے آپ سے یہ کہا کہ سالار اپنی پہلی یوں کیا تھا ہے؟" نہیں لگا کہ انہیں سعیدہ اماں کی بات سننے میں کوئی فلسفی ہوئی ہے۔

"وہ بے چاری تو روئی رہی ہے۔ فون پر بھی۔ اور میرے پاس بیٹھ کر بھی۔ سالار نے اس کے ساتھ اچھا سلوک نہیں کیا۔ اس سے ٹھیک طرح سے بیات تک نہیں کر رہا۔ بھائی صاحب! آپ نے بڑا ظلم کیا ہے بھی پر۔" سعیدہ اماں بیٹھ کی طرح جذباتی ہو رہی تھیں۔

"مجھے لگتا ہے کوئی غلط ہی ہوئی ہے۔ وہ دونوں تو پرسوں میرے پاس آئے ہوئے تھے۔ بالکل ٹھیک ٹھاک اور خوش تھے۔" ڈاکٹر سبھ علی پریشان کم اور حیران نیزادہ ہو رہے تھے۔

"اور آپ کے گھر سے واپسی پر وہ اسے یہاں چھوڑ گیا تھا۔ وہ بے چاری ساری رات روئی رہی۔"

"آمنہ آپ کے بدل رہی پرسوں؟" وہ پہلی بار جو شکر تھے۔ "تو اس کے ماں پاپ آرہے تھے کل۔ تو ایں لیے ساتھ سارا الزام اپنے سر لے کر امامہ کو ہری الدمہ قرار دے رہا تھا۔" اس نے بید روم میں آگر پوچھا۔ وہ ڈر نکس روم میں وارد رہ کھوئے اپنے کپڑے نکال رہا تھا۔

اس وقت ڈاکٹر سبھ علی کے چوہہ طبق روشن ہو رہے تھے۔ امامہ اس رات ان کے گھر پر بھی خاموش بیٹھی رہی تھی، لیکن انہیں یہ شاپہ سک نہیں ہوا تھا کہ ان دونوں کے درمیان کا کوئی اختلاف ہوا ہے۔

اور سالار کی پہلی بیوی۔ کون سی پہلی بیوی نکل آئی تھی جس کا خواہ اس نے سعیدہ اماں کو دیا تھا۔ وہ اپنے پار سالار کے بارے میں پریشان ہونے لگے تھے کیا انہوں نے کوئی غلطی کروئی تھی؟ بے حد پریشانی کے عالم میں انہوں نے امامہ کو فون کیا۔ امامہ کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ سعیدہ اماں، ڈاکٹر سب طبع علی سے واقعی سب کچھ کہہ دیں گی اور وہ بھی اتنی جلدی۔ ڈاکٹر سب طبع علی نے اس کا حال احوال پوچھتے ہی

اس سے اگلا سوال یہی کیا تھا۔

سعیدہ اماں نے بھجھتے تھے کہ آپ کو سالار سے کچھ شکایتیں ہیں۔ ”وہ بے حد پریشان گئے تھے۔ امامہ کا حلقوں یک دم خشک ہو گیا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آیا کہ وہ اقرار کرے یا انکار۔ اس کی خاموشی نے ڈاکٹر سب طبع علی کو مزید پریشان کیا۔

[www.urdunovelspdf.com](http://www.urdunovelspdf.com)

”اور سالار آپ سے کون سی پہلی بیوی کے بارے میں باتیں کرتا رہا ہے؟“  
وہ بے اختیار ہوتھ کائیں گے، اس کا ذہن اس وقت بالکل باوف ہو گیا تھا۔ وہ سالار کے خلاف تمام شکایات کو الزامات کے طور پر ہر انداختا ہتھی رکھی، لیکن اس وقت مسئلہ یہ تھا کہ وہ ڈاکٹر سب طبع علی سے اتنی بے تکلفی کے ساتھ وہ سب کچھ نہیں کہہ سکتی تھی جو اس نے سعیدہ اماں سے کہا تھا۔ سعیدہ اماں سے شکایتیں کرتے ہوئے اس نے مبالغے سے بھی کام لیا تھا اور اسے یہ اندازہ تھیں ہوا کہ سعیدہ اماں نے اس کی کون سی بات کس طرح انہیں بتائی ہے۔ اس کی مسلسل خاموشی نے ڈاکٹر سب طبع علی کی پریشانی میں اضافہ کیا۔

”بیناً جو بھی بات ہے، آپ مجھے بتا دیں۔ پریشان ہونے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔“  
”ابو ادھم مجھے بتا گئوں کر رہا ہے، تھیک ہے بات نہیں کرتا مجھ سے۔“ اس نے ہمت کر کے کہنا شروع کیا۔  
دو جملوں کے بعد اسے سب کچھ بھول گیا۔ جو یاد تھا اسے وہ ڈاکٹر سب طبع علی کو نہیں بتا سکتی تھی کہ اس نے اتنے دنوں میں اس کی یا اس کے کپڑوں کی تعریف نہیں کی۔ اس کے ساتھ سحری نہیں کی۔ افظاری نہیں کی۔ آنس سے دری سے آتا ہے۔ صبح اس کوتائے بغیر گھر سے چلا جاتا ہے۔ اسے اتنے دنوں سے فرقان کے گمراہ کھانا کھلا رہا ہے۔ اور اسے شادی کے دوسرا دن سعیدہ اماں کے پاس پھوڑ گیا۔ ڈاکٹر سب طبع علی نے اس کی دو نوں شکایات پر عورت کیے بغیر اس سے کہا۔

”اس نے آپ سے کسی اور شادی کا ذکر کیا ہے؟“  
وہ چند لمحوں کے لیے ہوتھ کاثتی رہی۔ وہ جانتی تھی کہ اس نے سعیدہ اماں سے جھوٹ بولا ہے اور یہی وہ جھوٹ تھا۔ جس نے سعیدہ اماں کو اس قدر ناراضی کر رکھا تھا۔

”نہیں، سعیدہ اماں کو کچھ غلط فہمی ہو گئی ہو گئی۔ ایسا تو کچھ نہیں ہے۔“ اس نے سخچرے کے ساتھ تردید کی۔ دوسری طرف دنوں پر ڈاکٹر سب طبع علی نے بے اختیار سکون کا سائس لیا۔

”آپ کو پرسوں سعیدہ اماں کے پاس کیوں پھوڑ گئی؟“

انہوں نے دوسرے الزام کے بارے میں کوئی تصویر کیے بغیر کہا۔

”جب آپ دنوں ہمارے کمر پر تھے، تب تو آپ کا پہاں تھرے نے کافی ارادہ نہیں تھا۔ راستے میں آپ لوگوں کا کوئی جھگڑا ہوا ہے؟“ انہوں نے اپنے آخری جملے سے امامہ کو جیسے بنانا یا ہواب دیا۔

”مجی۔“

”میری سمجھ میں نہیں آ رہا کہ۔“ ڈاکٹر سب طبع علی بات کرتے رک گئے۔ وہ سالار کے جس رویے کی منظر کشی کر رہی تھی، وہ ان کے لیے نیا تھا۔

”میرے میں ڈرائیور کو بھیجا ہوں، آپ میری طرف آ جائیں۔ سالار کو بھی افظار پر بلوایتے ہیں، پھر میں اس سے پات کر لوں گا۔“

امامہ نے بے اختیار آنکھیں بند کیں۔ اس وقت یہی ایک چیز تھی جو وہ نہیں چاہتی تھی۔

”وہ آج کل بہت دیر سے آفس سے آ رہا ہے۔ کل رات بھی نوبجے آیا۔ شاید آج نہ آ کے۔“ اس نے کمزوری آوازیں کہا۔

”میں فون کر کے بوجھ لیتا ہوں اس سے۔“ ڈاکٹر سبط علی نے کہا۔

”جی۔“ اس نے تمشکل کہا۔ وہ ان کے کہنے پر آنکھیں بند کر کے کسی سے بھی شادی کرنے پر تیار ہو گیا تھا،“

افظار کی دعوت رہنے آنے کے لیے کس مصروفیت کو جواز دتا تھا؟

وہ جانتی تھی کہ ڈاکٹر سبط علی کو کیا جواب ملنے والا ہے۔ فون بند کر کے وہ بے اختیار اپنے ناخن کاٹنے لگی۔ یہ

درست تھا کہ اسے سالار سے شکایتیں تھیں، لیکن وہ یہ بھی نہیں چاہتی تھی کہ شادی کے چوتھے ہی دن اس طرح

کی کوئی بات ہوتی۔

”پہلو اسونٹ ہارٹ۔“ پانچ منٹ بعد اس نے اپنے سیل پر سالار کی چکتی ہوئی آواز سنی اور اس کے ضمیر نے اسے بڑی طرح حلامت کیا۔

”بندہ المحتا ہے تو کوئی میسیح ہی کروتا ہے۔ فون کر لیتا ہے۔ یہ تو نہیں کہ اٹھتے ہی میکے جانے کی تیاری

شروع کر دے۔“ وہ بے تلقی سے حالات کی نوعیت کا اندازہ لگائے بغیر اسے چھیڑ رہا تھا۔

امامہ کے احساس جرم میں مزید اضافہ ہوا۔ ڈاکٹر سبط علی نے یقیناً ”اس سے ان الحال کوئی بات کیے بغیر اسے افظار پر بیٹایا تھا۔

”ڈاکٹر صاحب بھی افظار کے بارے میں کہ رہے تھے۔ میں نے انہیں کہا کہ میں آج آفس سے جلدی آ جاؤں گا اور تمہیں اپنے ساتھ لے آؤں گا۔“ وہ اسے بتا رہا تھا۔

امامہ کو کم کچھ امید بند ہی۔ وہ اگر پسلے گھر آ جاتا تو وہ اس سے کچھ بات کر لیتی، کچھ مذہرات کر کے اسے ڈاکٹر صاحب کے گھر متوجہ صورت حال کے بارے میں آگاہ کر سکتی تھی۔ اس نے اطمینان کا سانس لیا ہاں، یہ ہو سکتا تھا۔

”لیکن اگر تم جانا چاہو تو میں تمہیں بھجو رہتا ہوں۔“ سالار نے اگلے ہی جملے میں اسے آفرکی۔

”نہیں۔ نہیں میں تمہارے ساتھ چلی جاؤں گی۔“ امامہ نے بے اختیار کہا۔

”اوے۔ میں پھر انہیں بتا رہا ہوں۔ اور تم کیا کرو ہی ہو؟“ اس کا دل چاہا، وہ اس سے کہے کہ وہ اس گھر سے تکلنے کی کوشش کر رہی ہے جو اس نے سالار کے لیے کھو دا تھا۔

”قرآن کی ملازمت آئے گی آج صفائی کرنے کے لیے عام طور پر توفہ صبح میرے جانے کے بعد اگر صفائی کرتی ہے لیکن تم اس وقت سورہ ہوئی ہو، تو میں نے اسی الحال اس وقت آنے سے منع کیا ہے۔ تم بھا بھی کوکال کر کے بتا رہا کہ وہ اسے کب بھیجیں۔“

وہ شاید اس وقت آفس میں فارغ تھا، اس لیے لمبی بات کر رہا تھا۔

”کچھ تو بولو رہی۔ اتنی چیز کیوں ہو؟“

”نہیں۔ وہ میں سے ایسے ہی۔“ وہ اس کے سوال پر بے اختیار گزرا ہاں۔ ”تم قری ہو اس وقت؟“ اس نے بے

حد محتاط بمحی میں پوچھا۔

اگر وہ فارغ تھا تو وہ ابھی اس سے بات کر سکتی تھی۔

”ہاں، ایو پیوا یشن ٹائم چلی گئی ہے.... کم از کم آج کا دن تو ہم سب بت رہے ہیں۔“ اسے کہنس دے کر گئے ہیں وہ لوگ۔ ”وہ بڑے مطمئن انداز میں اسے بتا رہا تھا۔

”وہ اس کی یادوں پر غور کیے بغیر اس ادھیرون میں لگی ہوئی تھی کہ بات کسے شروع کرے۔“  
”آج اگر ڈاکٹر صاحب اذایت نہ کرتے تو میں سچ رہا تھا رات کو کہیں باہر کھانا کھاتے۔“ فوراً یہ میں انڈسٹریل ایگزیکٹو شیش لگی ہوئی ہے۔ ہاں چلتے ہے بلکہ یہ کریں گے کہ ان کے گھر سے ڈنر کے بعد فوراً یہ میں چلے گے۔

چلو بھرپانی میں ڈوب مرنے کا محابرہ۔ آج پہلی بار امامہ کی سمجھ میں آیا تھا یہ محاورہ تا ”میں کہا گیا تھا۔“ واقعی بعض پچھوئیں میں چلو بھرپانی بھی ڈونے کے لیے کافی ہوتا ہے۔ وہ بات شروع کرنے کے جتن کرہی تھی اور یہ کیے کرے یہ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔

”ٹھیک ہے۔ اپھر میں ذرا ڈاکٹر صاحب کو بتا دوں۔“ وہ انتظار کر رہے ہوں گے۔ ”اس سے پہلے کہ وہ اسے کچھ سکتی سالار نے بات ختم کرتے ہوئے کالہ بند کر دی۔ وہ فون ہاتھ میں پکڑے پیٹھی رہ گئی۔



وہ تقریباً چار بجے گھر آیا تھا اور وہ اس وقت تک پہ طے کر چکی تھی کہ اسے اس سے کس طرح بات کرنی ہے۔ سالار اور پیس میں آیا تھا۔ اس نے فون پر اسے پیچے آنے کے لیے کہا۔ وہ جب گاڑی کے کھلے دروازے سے اندر بیٹھی تو اس نے مسکرا کر سر کے اشارے سے اس کا استقبال کیا۔ وہ فون پر اپنے آفس کے کسی آدمی سے بات کر رہا تھا۔

پینڈز فری کاں سے لگائے ڈاکٹر سٹیٹ علی کے گھر کی طرف ڈرائیور گ کرتے ہوئے وہ مسلسل اسی کال میں مصروف رہا۔ امامہ کی جیسے جان پر بن آئی ہمی۔ اگر وہ سارے راستے بات کرتا رہا تو ایک سکنل پر رکھنے پر اس نے سالار کا ندھار تھیسا کیا اور بے حد خفی کے عالم میں اسے کال ختم کرنے کا اشارہ کیا۔ نتیجہ فوری طور پر آیا۔ چند منٹ مزید بات کرنے کے بعد سالار نے کال ختم کروی۔

”سوری۔“ ایک کلاسٹ کو کوئی رہا لمب ہو رہا تھا۔ ”اس نے کال ختم کرنے کے بعد کہا۔

”اسلام آباد چلو گی؟“ اس کے اگلے جملے نے امامہ کے ہوش اڑا کیے۔ (باتِ آنکھ دہ ماں شاء اللہ)